اردو نثر کی داستان

قسط ۴

ہر ماہ کی یکم تاریخ کو

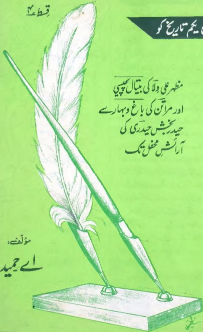

منظر علی ولا کی بیتال پچیسی
اور میر امن کی باغ و بہار سے
حیدر بخش حیدری کی
آرائشِ محفل تک

مؤلف:
اے حمید

۴
روشن کتابیں

مطبوعات شیخ غلام علی ادبی مارکیٹ چوک انار کلی، لاہور

اُردو ادب کے شائقین کے لیے روشن کتابوں کی
ایک خصوصی پیشکش

اُردو نثر کی داستان

قسط ۴

مظہر علی وِلاؔ کی بیتال پچیسی اور میرامّن کی باغ و بہار سے
حیدر بخش حیدری کی آرائشِ محفل تک

مؤلف:

اے حمید

۴
روشن کتابیں

مطبوعات شیخ غلام علی
ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

دُنیا کی ہر قومی اور علاقائی
زبان کی روشن کتابوں کا انتخاب

نگران : شیخ نیاز احمد
مُدیرِ مسئول : ارشد نیاز
مُدیر : رب نواز ملک

مجلسِ مشاورت :
اے حمید - ایم - ایس ناز
محمد حنیف شاہد - عینکاف خالد

آرٹ : سلیم اختر

طابع : شیخ نیاز احمد
مطبع : غلام علی پبلشرز، لاہور

ادارہ :
مطبوعات شیخ غلام علی
ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور
فون نمبر :
۵۷۹۰۸ ۶۱۸۵۹ ۶۱۳۰۲۰

تار :
کتاب مین (KITABMAN) لاہور

قدیم ترین داستانیں

روشن کتابوں کا ادبی اور تاریخی سلسلہ 'اُردو نثر کی داستان' آج کل اُن کہنہ داستانوں کو اپنے دامن میں سمیٹ رہا ہے جنھوں نے اپنے دَور میں اُردو ادب کی تاریخ کو بے مثال روشنی بخشی۔

'اُردو نثر کی داستان' کی قسط ۳ میں ہم نے تیرہ سو برس پہلے لکھی جانے والی ایک کتاب "کلیلہ و دمنہ" کا ذکر کیا تھا۔ زیرِ نظر قسط میں شمالی ہند میں اُردو داستانوں کی ابتدأ اور ارتقا پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اور سینکڑوں اُردو داستانوں کا انتخاب اور نچوڑ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس موقع پر ہم اُردو ادب کے طلبأ کی آگاہی کے لیے بتاتے چلیں کہ جناب اے۔ حمید کی یہ محققانہ کاوشیں دراصل اُنہی کے لیے ہیں —— تحقیق و تدقیق کے مراحل طے کرتے ہُوئے اُن کے پیشِ نظر اصل مقصد یہی تھا کہ اس ٹھوس اور مستند دستاویز سے اُردو ادب کے طلبأ زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اُردو ادب کے طلباء کے لیے جناب اے۔ حمید ایسی ایسی نئی راہوں کی نشاندہی کر رہے ہیں جو یقیناً اُن کے لیے اُن عام معلومات سے کہیں بڑھ کر جو مہنگے داموں بکنے والی کتابوں میں ملتی ہیں ——

ہاں تو ہم ذکر کر رہے تھے شمالی ہند کی داستانوں کا۔ اُردو ادب کی قدیم ترین داستانوں کا کھوج لگانے کے لیے مؤلف کو جو محنت کرنا پڑی ہے۔ آئندہ صفحات اس کی گواہی دیں گے مظہر علی وِلا کی بیتال پچیسی اور میرامّن کی باغ و بہار سے لے کر حیدر بخش حیدری کی آرائشِ محفل تک درمیان میں آنے والی سینکڑوں داستانیں، اِس قسط میں موجود ہیں۔ قسط ۴ چونکہ قدیم داستانوں کے اتنے بڑے انبار کی متحمل نہیں ہو سکی اس لیے قسط ۵ میں بھی یہی سلسلہ جاری رکھا گیا ہے۔ اب آپ آئندہ قسط میں بھی داستانوں ہی کا ذکر پائیں گے۔

'اُردو نثر کی داستان' کے ساتھ آج ہم خواجہ محمد اسلام کی مرتب کردہ کتاب "جنّت کا منظر" کا دوسرا حصّہ بھی پیش کر رہے ہیں۔

"جنّت کا منظر" کی پہلی قسط تو آپ پڑھ ہی چکے ہوں گے۔ تسلسل قائم رکھنے کے لیے دوسری قسط کا مطالعہ بھی بے حد ضروری ہے۔ دس دسمبر کو اس کتاب کا تیسرا حصّہ بھی پیش کر دیا جائے گا اور یوں یہ کتاب مکمل صورت میں آپ کے پاس ہوگی۔

نیاز احمد

شمالی ہند کی داستانیں

بیتال پچیسی

یہ پچیسی کہانیوں کا مجموعہ جس کا تعلق قدیم کلاسیکی سنسکرت کی دو کتابوں سے ہے ان کے نام ہیں، ۱۔ کتھا سرت ساگر ۲۔ برہت کتھا منجری ان دونوں کتابوں کی اکثر کہانیوں کو بیتال بیان کرتا ہے ان کتابوں میں اور کہانیاں بھی ہیں لیکن بھاشا سے ترجمہ کرنے والے یعنی مترجم مظہر علی ولا نے صرف ان کہانیوں کو منتخب کر کے کتاب میں شامل کیا جو بیتال کی زبان سے بیان ہوئی ہیں۔ کتھا سرت ساگر اور برہت کتھا منجری قدیم کلاسیکی نثر میں ادب کی بلند پایہ کتابیں ہیں اور قدیم کلاسیکی ادب میں انہیں نمایاں اہمیت کا درجہ حاصل ہے ان منتخب کہانیوں کا ترجمہ سب سے پہلے ۱۸۰۳ء میں مظہر علی ولا نے پیش کیا۔ ولا کے ساتھ جنہوں نے ترجمے میں ان کی مدد کی ان میں شری للوجی لال کوی اور تارنی چرن متر دو اصحاب بھی شامل ہیں۔ لیکن اصل ترجمہ مظہر علی ولا نے ہی کیا یعنی ولا نے سنسکرت کی کہانیوں کو آسان زبان میں منتقل کیا۔ بیتال پچیسی کی سنسکرت کہانیاں بکرماجیت کے عہد میں لکھی گئیں۔ یہ زمانہ ۵۳۶ء کا زمانہ بیان کیا جاتا ہے بکرماجیت کے زمانے سے لے کر فورٹ ولیم کالج تک آتے آتے ان کہانیوں نے کم و بیش چودہ سو سال کا سفر طے کیا۔ اس دوران میں کہانیوں کی اصل شکل کا تبدیل ہو جانا قرین قیاس تھا۔ مگر ان کہانیوں میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی۔ سنسکرت سے براہ راست ترجمہ ہونے والی اور برج بھاشا سے اردو میں ترجمہ ہونے والی کہانیوں میں زیادہ نمایاں فرق بالکل نظر نہیں آتا۔ ان کہانیوں کا براہ راست سنسکرت سے بھی انگریزی میں ترجمہ کیا گیا۔ انگریزی میں ترجمہ BUITENEN نے کیا اور کتاب کا نام رکھا TALES OF ANCIENT INDIA یہ کتاب شکاگو یونیورسٹی کے اشتراک سے چھپی تھی اس ترجمے کی کہانیوں میں بعض جگہوں پر اختلاف ہے جن کا ذکر کئی ایک کتابوں میں کیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ مظہر علی ولا کے سامنے ترجمہ کرتے وقت سنسکرت کا اصل نسخہ نہیں تھا اس لئے اس بارے میں مزید بحث کرنا مزید اختلاف کا باعث ہوگا مظہر علی ولا نے اس کتاب کا ترجمہ جان گلکرائسٹ کی فرمائش پر کیا۔ اس ترجمے کو سب سے پہلے فورٹ ولیم کالج کی جانب سے چھاپا گیا۔ یہ کتاب فورٹ ولیم کالج میں تعلیم حاصل کرنے والے انگریز فوجی افسروں کے نصاب میں بھی شامل تھی۔

داستان کا آغاز

دھارا نگر نام تھا اس شہر کا جس کا راجہ گندھرو سین تھا۔ اس راجہ کی چار رانیاں تھیں۔ ان میں سے اس کے ہاں چھ بیٹے ہوئے یہ سارے راجکمار بڑے حسین اور طاقت ور اور لائق تھے۔ راجہ مر گیا تو راج پاٹ بڑے لڑکے شنک نے سنبھال لیا۔ پھر کچھ عرصے بعد اس کا چھوٹا بھائی بکرم آگے بڑھا۔ اس نے شنک کو قتل کیا اور راج گدی پر قبضہ کر لیا۔ بکرم بڑا ہنر مند اور ہوشیار راجہ تھا۔ اس نے بڑی بہادری اور دانشمندی سے کام لے کر بہت بڑے علاقے پر قبضہ کر لیا اور وہ سارے ملک کا راجہ بن بیٹھا۔ اس کے عہد میں انصاف کا بول بالا ہوا۔ غریبوں کو سکھ ملا۔ عزت سب کی محفوظ ہوئی اور رات کو ساری سلطنت میں کوئی بھوکا نہ سوتا تھا۔

ایک روز راجہ بکرم کے دل میں سمائی کہ کیوں نہ ملک ملک کی سیر کی جائے اس نے راج پاٹھ اپنے چھوٹے بھائی بھرتری کے حوالے کیا اور خود جوگی کا بھیس بدل کر جنگلوں اور دوسرے ملکوں کی سیر کرنے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ راجہ بھرتری کے دربار سے نکلنے کی کہانی کا آغاز اس ایک واقعے سے بیان کیا گیا ہے کہ اس شہر میں ایک برہمن ریاضت کیا کرتا تھا۔ ایک دن اس کی عبادت اور ریاضت سے خوش ہو کر دیوتا نے اسے ایک امرت پھل لا کر دیا اور کہا کہ جو کوئی بھی اسے کھائے گا وہ ہمیشہ کے لئے زندہ رہے گا۔ برہمن وہ پھل لے کر اپنے گھر آ گیا۔ اس نے اپنی برہمنی سے پھل کے وصف بیان کئے اور کہا کہ وہ اسے کھا کر امر ہو جائے۔ برہمنی نے رو کر کہا۔

"یہ تو بڑا پاپ بھگتنا پڑے گا کیونکہ امر ہو جانے کے بعد آخر ہم کب تک بھیک مانگتے رہیں گے۔ اس سے تو مر جانا اچھا ہے۔ جلدی مر جائیں گے تو جلدی اس سنسار کے دکھ سے چھوٹیں گے۔"

اس پر برہمن بولا کہ لینے کو تو میں پھل لے آیا۔ پر تیری بات سن کر مجھے بھی اب دھیان آیا کہ تو سچ کہہ رہی ہے۔ مگر اب اس امر پھل کا کیا کیا جائے؟ برہمنی نے برہمن کو مشورہ دیا کہ اس پھل کو راجہ کے پاس لے جا کر کہو کہ وہ امر پھل لے کر ہمیں بہت سی دولت دے دیں تاکہ وہ تیرے کام آئے اور ہمارا دنیا کا کام نکل جائے یہ بات برہمن کے دل کو لگی اور وہ امرت پھل لے کر راجہ کے دربار میں پہنچ گیا۔ مہاراجہ کو دعائیں دیں اور پھل کی صفت بیان کر کے کہا۔

"مہاراج! یہ پھل آپ لے لیجئے اور مجھے اس کے بدلے میں دولت دے دیجئے آپ مدت تک زندہ رہیں گے آپ کے مدت تک زندہ رہنے سے ہمیں خوشی ہو گی اور رعایا کی بھلائی بھی ہو گی۔ میں یہ پھل آپ کے قدموں میں ارپن کرتا ہوں۔" راجہ نے امرت پھل لے لیا اور برہمن کو ایک لاکھ روپے دیئے برہمن کو رخصت کر کے راجہ اپنے محل میں اس رانی کے پاس آیا جس کو وہ بہت زیادہ پیار کرتا تھا۔ اس نے پھل دے کر رانی سے کہا۔

"اے رانی! تو اس پھل کو کھا کر ہمیشہ کے لئے زندہ اور امر ہو جائے گی اور سدا جوان رہے گی۔"

رانی نے یہ بات سن کر راجہ سے پھل لے لیا۔ پھل دے کر راجہ خوش خوش واپس اپنے دربار میں آ گیا۔ اب قصہ یوں ہوا کہ اس رانی کا ایک آشنا کوتوال تھا۔ کوتوال اور رانی چھپ چھپ کر ملا کرتے تھے۔ رانی نے سوچا کہ کیوں نہ میں اپنے عاشق کوتوال کو یہ پھل دے دوں۔ تاکہ وہ ہمیشہ جوان رہے اور میرے ساتھ محبت کرتا رہے چنانچہ رانی نے پھل کوتوال کو دے دیا کوتوال ایک طوائف سے عشق کرتا تھا اس نے سوچا کہ کیوں نہ وہ امر پھل اپنی دوست طوائف کو کھلا دے تاکہ وہ ہمیشہ زندہ اور جوان رہے اور وہ اس سے محبت کرتا رہے۔ وہ پھل لے کر طوائف کے پاس گیا اور اسے پھل دے دیا۔ طوائف پھل لے کر بہت خوش ہوئی۔ مگر جب پھل کھانے لگی تو اس کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ وہ یہ پھل ملک کے راجہ کو دے دے۔ یہ پھل تو راجہ کو دینے کے لائق ہے راجہ اسے پھل کے عوض بہت دھن دولت دے گا۔ طوائف کو دھن دولت کا ہی تو شوق تھا

بس طوائف پھل لے کر راجہ کے پاس پہنچی۔ پھل دے کر اس کی خوبیاں بیان کرنے لگی۔ راجہ پھل کو دیکھ کر بڑا حیران ہوا۔ پر اس نے طوائف سے کچھ نہ کہا۔ اسے باتوں ہی باتوں میں سارا حال معلوم ہو گیا کہ رانی نے اس کے ساتھ بے وفائی کی ہے۔ راجہ نے طوائف سے پھل لے لیا۔ اور اس کے عوض اسے بہت دھن دولت دے کر رخصت کر دیا۔ راجہ کا دل بہت اداس ہو گیا اس نے سوچا کہ اس دنیا کی دھن دولت اور پیار محبت سب مایا ہے۔ سب آنی جانی اور فانی ہے۔ کسی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ میں جس رانی سے پیار کرتا تھا وہ بھی ہرجائی نکلی۔ یہ سوچ کر خاموشی سے محل میں گیا اور رانی سے پھل کے بارے میں پوچھا کہ کیا اس نے پھل کھا لیا تھا؟ رانی نے کہا کہ ہاں اس نے پھل اسی وقت کھا لیا تھا۔ بس راجہ نے اسی وقت پھل نکال کر رانی کے سامنے کر دیا۔ رانی پھل کو دیکھ کر بھونچکا ہو کر رہ گئی اور کوئی جواب نہ دے سکی۔ راجہ غمگین ہو کر محل سے باہر آ گیا۔ اس نے پھل کو دھلوا کر اسی وقت کھا لیا اور راج پاٹ چھوڑ کر جوگی کا بھیس بدلا اور جنگل کی طرف چل پڑا۔

راجہ بھرتری کے محل چھوڑنے کی خبر جب راجہ اندر کو پہنچی تو اس نے ایک دیو دھارا نگر کی رکھوالی کو روانہ کیا۔ یہ دیو دن رات اس راجہ کے شہر کی رکھوالی کرنے لگا۔ راجہ بکرم پہلے ہی سے راج پاٹ چھوڑ کر جنگل سدھار چکا تھا۔ اسے خبر ہوئی کہ راجہ بھرتری ہری نے بھی محل چھوڑ دیا ہے اور وہ جنگل جنگل گھوم پھر رہا ہے یہ خبر سنتے ہی راجہ بکرم وہاں سے سیدھا دھارا نگر آیا۔ جب وہ شہر میں داخل ہوا تو دیو جو پہرہ دے رہا تھا۔ اس کو دیکھ کر

پکلا کہ تو کون ہے۔ راجہ نے کہا کہ میں راجہ بکرم ہوں۔ اپنے شہر میں جاتا ہوں۔ تو کون ہے جو مجھے روکتا ہے۔ تب دیو بولا کہ مجھے دیوتا اندر نے اس نگری کی رکھوالی کے لئے یہاں بھیجا ہے اگر تم سچ مچ راجہ بکرم ہو تو پہلے مجھ سے لڑائی کرو پھر اس شہر میں جاؤ۔ اس بات کے سنتے ہی راجہ بکرم نے دیو کو للکارا۔ دیو نے بھی حملہ کر دیا۔ دونوں میں زبردست جنگ شروع ہو گئی راجہ نے آخر دیو کو پچھاڑ دیا اور اس کی چھاتی پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ تب دیو نے کہا۔

"اے راجہ! تو نے مجھے پچھاڑا ہے۔ میں تم کو خیرات دیتا ہوں۔"

راجہ نے ہنس کر کہا "کیا تو پاگل ہو گیا ہے۔ میں چاہوں تو ابھی تمہیں مار دیتا ہوں۔ پھر تو مجھے کیا دان دیگا۔ کیا خیرات کرے گا۔ تمہاری جان تو اس وقت میری مٹھی میں ہے۔"

اس پر وہ دانگشت بولا کہ اے راجہ میں تمہیں کالی سے بچاتا ہوں پہلے میری بات سن۔ اس کے بعد چاہے مجھے قتل کر دینا۔ آخر راجہ نے اسے چھوڑ دیا اور اس کی بات دل سے سننے لگا۔ دیو نے کہا کہ اے راجہ! اس شہر میں ایک راجہ چندر بھان بڑا امیر اور سخی داتا تھا۔ اتفاق سے ایک روز وہ جنگل میں چلا گیا۔ وہاں جا کر کیا دیکھتا ہے کہ ایک جوگی ریاضت کرتے ہوئے درخت سے الٹا لٹکا ہوا ہے۔ نہ کسی سے کچھ لیتا ہے اور نہ بات کرتا ہے اس جوگی کا یہ حال دیکھ کر راجہ واپس دربار میں آیا۔ اس نے اعلان کر دیا کہ جو کوئی اس جنگل میں سے جوگی کو میرے محل میں لاوے وہ مجھ سے ایک لاکھ روپیہ پائے گا۔ اس بات کو سن کر ایک طوائف نے راجہ کے پاس آ کر عرض کیا۔

"اے راجہ اگر اجازت ہو تو میں جنگل میں اس جوگی کے پاس جاؤں اور اس سے ایک لڑکا جنوا کر اسے اپنے کاندھے پر بٹھا کر لے آؤں۔"

اس بات نے راجہ کو بڑی حیرت میں ڈال دیا۔ جھٹ اس طوائف کو جوگی کو لانے کے لئے بھیج دیا۔ طوائف اس جنگل میں پہنچی۔ جا کر کیا دیکھتی ہے کہ سچ مچ ایک جوگی درخت کے ساتھ الٹا لٹکا ہوا ہے اور آنکھیں بند کر کے ریاضت کر رہا ہے۔ طوائف نے کیا کیا کہ حلوہ پکا کر اس جوگی کے منہ میں ڈالا جوگی کو حلوہ میٹھا لگا تو کھا گیا طوائف نے اور حلوہ اس کے منہ میں لگا دیا۔ اس طرح طوائف ہر روز وہاں حلوہ لے کر آ جاتی اور ریاضت کرتے جوگی کے منہ کے ساتھ لگا کر اسے چٹا دیتی۔ دو تین روز تک حلوہ کھانے سے جوگی کے بدن میں طاقت آ گئی تب جوگی نے آنکھیں کھول دیں اور درخت سے نیچے اتر آیا اور طوائف سے پوچھا کہ وہ جنگل میں کس کام سے آئی ہے؟ طوائف نے بہانہ بنا کر کہا کہ وہ ایک جن کی بیٹی ہے۔ جنت میں ریاضت کرتی تھی۔ اب اس جنگل میں آئی ہوں اس پر جوگی نے کہا۔ تمہاری کٹیا کہاں ہے؟ ہمیں دکھاؤ۔ تب وہ طوائف جوگی کو اپنی کٹیا میں لے گئی۔ یہاں اس نے جوگی کو بڑا ہی خوش ذائقہ کھانا کھلایا جوگی نے دھواں پینا چھوڑ دیا۔ اور ہر روز وہ اچھے اچھے خوش ذائقہ کھانے کھانے لگا پانی پینے لگا۔ آخر کام دیو نے اسے ستانا شروع کیا چنانچہ ایک روز جوگی نے طوائف سے بھوگ کیا بھوگ کرتے ہی جوگ اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ادھر طوائف کو حمل ہو گیا۔ پورے دنوں میں لڑکا پیدا ہوا جب لڑکا کئی ایک مہینوں کا ہوا تب وہ طوائف نے اس جوگی سے کہا کہ اے میرے گسائیں! چل کر تیرتھ یاترا کریں۔ جس سے بدن کے سارے پاپ کٹ جائیں۔ جوگی کو اپنی باتوں میں لگا کر وہ اسے لے کر شہر کی طرف چل پڑی۔ لڑکا اس نے اپنے کندھے پر اٹھا رکھا تھا۔ وہاں سے وہ سیدھا راجہ کے محل میں آ گئی راجہ نے جب طوائف کو دیکھا تو کہا کہ یہ وہی بیسوا ہے جو جوگی کو لینے گئی تھی۔ درباریوں نے کہا۔ مہاراج سچ فرماتے ہیں۔ یہ وہی بیسوا ہے۔ جب یہ باتیں جوگی نے سنیں تو سمجھ گیا کہ اس کے جوگ کو برباد کرنے کے لئے اس طوائف کو راجا نے اس کے پاس روانہ کیا تھا۔ جوگی نے اس لڑکے کو مار ڈالا اور خود جنگل میں جا کر ریاضت کرنے لگا۔

دیو نے راجہ بکرم کو یہ کہانی سنائی۔ اجازت لے کر واپس اندر کے دربار میں چلا گیا راجہ بکرم نے دربار لگایا۔ سارے شہر میں خوشیاں ہونے لگیں۔ لوگوں نے چراغاں کیا اور راجہ پھر سے راج کرنے لگا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ ایک جوگی شانت پھل ہاتھ میں لے کر راجہ کے پاس آیا اور وہ پھل راجہ کے ہاتھ میں دے کر وہاں آسن جما کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس چلا گیا اس کے جانے کے بعد راجہ نے اپنے دل میں سوچا کہ جو کچھ دیوتا نے کہا تھا وہی نہ ہو۔ یہ گمان کر کے پھل نہ کھایا اور بھنڈاری کو بلا کر دیا کہ اسے اچھی طرح سے سنبھال کر رکھے۔ اب جوگی ہمیشہ اسی طرح سے آتا اور ایک پھل راجہ کو دے کر چلا جاتا۔ اتفاق ایسا ہوا۔ کہ ایک روز راجہ اصطبل میں اپنے گھوڑے دیکھنے گیا ہوا تھا اس کے ساتھ درباری بھی تھے۔ جوگی اسی طرح معمول کے مطابق راجہ کے پاس آیا اور ایک پھل راجہ کے ہاتھ میں دیا۔ راجہ پھل کو ہاتھ میں اچھالنے لگا۔ پھل راجہ کے ہاتھ سے گر پڑا۔ ایک بندر نے اسے اٹھا کر توڑ ڈالا۔ اس کے اندر سے ایک ایسا درخشاں لعل برآمد ہوا۔ کہ جسے دیکھ کر راجہ اور درباری حیران رہ گئے۔

تب راجہ نے جوگی سے کہا کہ تو نے یہ لعل مجھے کس واسطے دیا؟ جوگی نے کہا۔ اے مہاراج! شاستر میں لکھا ہے کہ اپنے گورو۔ راجہ۔ جوتشی۔ وید اور بیٹی کے ہاں کبھی خالی ہاتھ نہ جائے اس لئے کہ وہاں سے پھل سے پھل ملتا ہے۔ اے راجہ تم ایک لعل کو کیا کہتے ہو میں نے جتنے پھل تم کو دیئے ہیں ان سب میں لعل ہیں یہ بات سن کر راجہ نے بھنڈاری سے کہا جتنے پھل تجھ کو دیئے ہیں لے آ۔ بھنڈاری جا کر پھل لے آیا۔ ان پھلوں کو جو توڑوایا گیا تو ان سب میں سے ایک ایک لعل نکلا۔ اتنے لعل دیکھ کر راجہ بہت خوش ہوا۔ اس وقت جوہری کو بلا کر لعل پرکھوائے۔ اور یوں بولا کہ ساتھ کچھ نہ جائے گا دنیا میں دھرم بڑی چیز ہے۔ جو کچھ ایک نگینے کا مول ہو سو دھرم سے کہہ دیجئے۔ جوہری نے کہا۔ "مہاراج! آپ نے سچ فرمایا۔ دھرم بڑی چیز ہے جس کا دھرم رہے گا۔ اس کا سب کچھ رہے گا۔ دھرم ہی ساتھ جاتا ہے۔ اور وہی دونوں جہانوں میں کام آتا ہے۔ سنو مہاراج! ہر ایک نگینہ اپنے رنگ ڈھنگ میں درست ہے۔ اگر ہر ایک کا مول کروڑ کروڑ میں کہوں تو بھی ہو نہیں سکتا۔ اصل میں ایک ایک سلطنت ایک ایک لعل کی قیمت ہے۔"

یہ سن کر راجہ بہت خوش ہوا۔ جوہری کو خلعت دے کر رخصت کیا اور جوگی کا ہاتھ پکڑ کر اسے گدی پر لے آیا۔ اور کہنے لگا کہ میرا تو ایک ملک بھی اس لعل کی قیمت نہیں ہو سکتا۔ تم نے جوگی ہو کر جو اتنے لعل مجھے دیئے ہیں اس میں کیا راز ہے کچھ اس بابت بھی مجھ سے کہو۔ جوگی بولا۔ اے راجہ۔ اتنی باتیں ظاہر کرنی مناسب نہیں۔ جنتر، منتر، اوشدھ اور حرم، گھر کا احوال، حرام کا کھانا، بری بات سنی ہوئی۔ یہ سب باتیں مجلس میں کہنی نہیں جاتیں۔ خلوت میں کہوں گا۔ سنو یہ قاعدہ ہے جو بات چھ کان میں پڑتی ہے۔ وہ چھپی نہیں رہتی۔ چار کان کی بات کوئی نہیں سنتا۔ اور دو کان کی بات برہما بھی نہیں جانتا۔ آدمی کا تو ذکر ہی کیا۔ یہ بات سن کر راجہ اسی وقت جوگی کو علیحدے میں لے گیا۔ اور کہنے لگا۔ گورو دیو! تم نے اتنے لعل مجھے دیئے اور ایک گھڑی کا بھوجن بھی میرے ہاں سے نہ کھایا۔ میں تم سے شرمندہ ہوں اپنا جو مطلب ہو سو کہو۔ جوگی بولا اے راجہ! گوداوری ندی کے کنارے مرگھٹ میں منتر سدھ کروں گا۔ اس سے اشٹ سدھ مجھے ملے گی۔ سو میں تم سے بھیک مانگتا ہوں کہ ایک روز تم میرے پاس رات بھر رہنا۔ تمہارے پاس کے رہنے سے میرا منتر سدھ ہو جائے گا۔ تب راجہ نے کہا خوب۔ میں آؤں گا۔ تم وہ دن مجھے بتا جاؤ۔ جوگی بولا۔ بھادوں ماہ کی چودھویں رات کی شام کو تم ہتھیار باندھ اکیلے میرے پاس آنا۔ راجہ نے کہا تم جاؤ۔ میں وقت مقررہ پر آ جاؤں گا۔ اس طرح راجہ سے وعدہ لے کر جوگی وہاں سے سیدھا اپنے مٹھ میں پہنچا۔ وہاں ضروری سامان لے کر وہ سیدھا دریائے گوداوری کے کنارے والے مرگھٹ میں جا بیٹھا۔ ٹھیک وقت پر وعدے

کے مطابق راجہ بھی لنگوٹ کس، تلوار باندھ مرگھٹ میں جوگی کے پاس جا پہنچا اور جا کر سلام کیا۔ جوگی نے اسے پاس بٹھا لیا۔ راجہ کیا دیکھتا ہے کہ چاروں طرف بھوت پریت ڈائن طرح طرح کی ہولناک صورتیں بنا کر ناچتے ہیں اور جوگی بیچ میں بیٹھا اکتارا بجاتا ہے راجہ نے یہ دیکھ کر کچھ ڈر خوف نہ کیا اور جوگی سے کہا کہ مجھے کیا حکم ہے؟ جوگی نے کہا۔ راجہ تم آئے ہو تو ایک کام کرو۔ یہاں سے جنوب کی طرف دو کوس پہ ایک مرگھٹ ہے اس میں ایک سرس کا درخت ہے اس میں ایک مردہ لٹکا ہے اسے جلدی سے میرے پاس لاؤ۔ میں یہاں پوجا کرتا ہوں۔

راجہ کو ادھر بھیج جوگی آسن جما کر وظیفہ کرنے لگا۔ ایک تو اندھیری رات تھی دوسرے ساون کی جھڑی لگی تھی۔ اوپر سے ڈائنیں اور بھوت ایسا شور مچا رہے تھے کہ بڑے سے بڑے بہادر کا بھی ایک بار تو جی دہل جائے مگر راجہ اپنی راہ چلا جاتا تھا۔ راجہ اس مرگھٹ میں پہنچا تو دیکھا کہ بھوت پکڑ پکڑ آدمیوں کو دے دے مارتے ہیں۔ ڈائن لڑکوں کے کلیجے چباتی ہے۔ شیر دھاڑتے ہیں۔ ہاتھی چنگھاڑتے ہیں غرض۔ درخت کے قریب جا کر دیکھا کہ ایک مردہ درخت سے لٹکا ہے مردے کو دیکھ کر راجہ خوش ہوا کہ میری محنت کامیاب ہوئی ایک ہاتھ تلوار کا ایسا مارا کہ رسی کٹ گئی اور مردہ زمین پر گر پڑا۔ اور گرتے ہی دھاڑیں مار مار کر رونے لگا پر راجہ اس کی آواز سن خوش ہو، اپنے دل میں کہنے لگا۔ بھلا یہ آدمی جیتا تو ہے پھر اس سے پوچھا تو کون ہے؟ مردہ یہ سنتے ہی کھلکھلا کر ہنسا۔ راجہ کو اس بات پر بڑی حیرانی ہوئی۔ پھر وہ مردہ اسی درخت پر چڑھ کر لٹک گیا۔ راجہ بھی درخت پر چڑھ کر مردے کو بغل میں دبا کر نیچے لے آیا اور کہا چنڈال تو کون ہے؟ مردے نے کوئی جواب نہ دیا۔ راجہ کو خیال آیا کہ شاید یہ شخص تیلی ہے جو دیو نے کہا تھا کہ جوگی نے مسلمان بنا کر رکھا ہے۔ یہ سوچ کر راجہ نے مردے کو چادر میں باندھا اور جوگی کے پاس لے چلا۔ تب وہ بیتال بولا۔ تو کون ہے اور مجھے کہاں لئے جاتا ہے؟ راجہ نے جواب دیا۔ میں راجہ بکرم ہوں اور تجھے جوگی کے پاس لئے جاتا ہوں۔ اس نے کہا میں ایک شرط سے چلتا ہوں۔ جو رستے میں تو بولے گا تو میں الٹا پھر جاؤں گا۔ راجہ نے اس کی یہ شرط مان لی اور لے چلا۔ پھر بیتال بولا۔ اے راجہ! پنڈت چالاک، دانا لوگ جو ہیں۔ ان کے دن تو گیت اور شاستروں کے آنند میں کٹتے ہیں اور کوڑھ احمقوں کے دن پریشانیوں اور نیند میں گذرتے ہیں اس لئے بہتر ہے کہ اتنی راہ اچھی باتوں میں کٹ جائے۔ اے راجہ جو میں کہتا ہوں اسے سن۔

بیتال کی پہلی کہانی

سنو! ایک راجہ پرتاپ مکٹ نام بنارس کا تھا اور اس کے بیٹے کا نام بجر مکٹ اور اس کی رانی کا نام مہادیوی تھا۔ ایک دن وہ اپنے دیوان کے بیٹے کے ساتھ شکار کو گیا۔ وہ بہت دور جنگل میں جا نکلا۔ اس جنگل کے درمیان ایک خوب صورت تالاب دیکھا کہ اس کے کنارے حسین پرندے چہچہا رہے تھے اور ہنس کلول کر رہے تھے تالاب میں کنول کھلے تھے۔ کنارے کنارے گھنے درخت تھے کہ جن کی چھاؤں میں ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی جھاڑیوں میں رنگ رنگ کے پھول کھل رہے تھے۔ ان پر بھنوروں کے جھنڈ گونج رہے تھے وہاں ایک شیوجی کا مندر تھا گھوڑوں کو باندھ کر راجہ کا بیٹا اور دیوان کا بیٹا مندر میں شوجی کے درشن کو گئے۔ باہر نکلے تو دیکھا کہ کسی راجہ کی بیٹی اپنی سہیلیوں کے ساتھ تالاب کے دوسرے کنارے غسل کرنے کو آئی ہیں غسل کر کے وہ تالاب کے کنارے ٹہلنے لگی۔ اچانک راجہ کے بیٹے کی آنکھیں اس سندری سے چار ہوئیں اس راجہ کی بیٹی نے راجہ کے بیٹے کو دیکھا تو بالوں میں سے کنول کا پھول نکال کر اسے دانتوں سے کترا اور پھر چھاتی سے لگایا اور اپنی سہیلیوں کے ساتھ محل کو چلی گئی اس کے جاتے ہی راجہ کے بیٹے کو اس کی جدائی ستانے لگی اس نے دل کا سارا حال دیوان کے بیٹے کو کہہ سنایا اور کہا کہ اب وہ اس سندری کے بنا زندگی کے دن نہ گذار سکے گا یہ حال دیکھ کر دیوان کا بیٹا راجہ کے بیٹے کو گھوڑے پر بٹھا گھر لے آیا۔ جدائی کے غم میں اس کا ایسا حال ہوا کہ نہ کھانے کی فکر نہ پہننے کا خیال۔ راج کاج سب کچھ تج بیٹھا۔ یہ حال دیکھ کر دیوان کے بیٹے نے راج کمار سے کہا۔

"اے راجکمار! تو نے جو عشق کے روگ کو جی سے لگایا ہے تو یاد رکھ اس مرض کو سینے سے لگانے والا کوئی نہیں بچا۔ اس راہ پر جو چلا آخر وہ مرگھٹ کو پہنچا۔ اسی لئے دانا لوگوں نے اس راہ پر چلنے سے منع کیا ہے۔"

یہ سن کر راج کمار بولا۔ میں نے تو اس راہ میں قدم رکھ لیا ہے۔ اب چاہے اس میں دکھ ہو چاہے سکھ۔ واپس نہ آؤں گا۔ دیوان کے بیٹے نے جب دیکھا کہ یہ تو پکا ارادہ کئے ہوئے ہے اور پریم کا تیر اس کے دل میں اتر گیا ہے تو اس سے پوچھا۔ اے راج کمار، تم دونوں میں کوئی بات بھی ہوئی ہے یا نہیں؟ راج کمار نے کہا کہ نہ میں نے اس سے کوئی بات کی اور نہ اس نے مجھ سے کوئی بات کی۔ دیوان کا بیٹا بولا۔ پھر تو اس کا ملنا بہت مشکل ہے۔ راج کمار نے کہا اگر یہ بات ہے تو میں اپنی جان سے گیا پھر۔ کنور سے پوچھا کہ کیا اس نے کوئی اشارہ کیا تھا۔ راج کمار نے کنول کے پھول کو منہ میں لے کر کترنے اور چھاتی سے لگانے کی ساری بات سنا دی۔ اس پر دیوان کے بیٹے نے کہا۔

"اے راج کمار! اس گن سندری نے جو کنول کا پھول سر پر سے اتار کر پہلے کان سے لگایا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ میں کرناٹک کی رہنے والی ہوں اور دانت سے جو کترا تو اس کا مطلب ہوا کہ میں دانتواٹ کی بیٹی ہوں اور پاؤں سے جو دبایا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پدماوتی میرا نام ہے اور چھاتی سے جو لگایا تو اس کا مطلب ہے کہ تم میرے دل میں رہتے ہو۔"

کنور نے جو یہ سنا تو بڑا خوش ہوا۔ اور دیوان کے بیٹے سے کہا کہ تم مجھے کرناٹک شہر میں لے چلو۔ چنانچہ دونوں نے کپڑے پہن۔ کچھ جواہرات ساتھ لے۔ گھوڑوں پر سوار ہو کر کرناٹک کی راہ لی کئی روز کے بعد کرناٹک دیس میں پہنچے۔ شہر کی سیر کرتے ہوئے راجہ کے محل کے نیچے آئے تو وہاں دیکھتے کیا ہیں کہ ایک بڑھیا اپنے دروازے پر بیٹھی ہوئی چرخہ کات رہی ہے یہ دونوں اس کے پاس آ کر کہنے لگے۔ مائی! ہم مسافر سوداگر ہیں۔ ہمارا مال پیچھے آتا ہے اور ہم جگہ ڈھونڈنے کے واسطے آگے بڑھ آئے ہیں۔ اگر ہمیں جگہ دو تو ہم رہیں گے بڑھیا ان سے بولی۔ یہ گھر تمہارا ہے۔ جب تک جی چاہے رہو۔

دونوں اس مکان میں اتر آئے۔ تھوڑی دیر بعد بڑھیا آ کر ان کے پاس بیٹھ گئی۔ کنور نے پوچھا۔ تمہاری گذران کیسے ہوتی ہے مائی؟ بڑھیا نے کہا۔ میرا بیٹا راجہ کی خدمت میں نوکر ہے اور میں نے رانی پدماوتی کو دودھ پلایا ہے۔ راجہ میرے کھانے پینے کی خبر لیتا ہے۔ اس پر کنور نے خوش ہو کر بڑھیا سے کہا کہ کل جب محل میں جانے لگو تو ایک سندیسہ میرا بھی ساتھ لیتی جانا۔ بڑھیا نے کہا بیٹا کل کیا تم ابھی سندیسہ دو میں جا کر پدماوتی کو بتا دوں گی اس پر کنور نے یہ سندیسہ دیا کہ اے پدماوتی! تالاب کے کنارے تم نے جس راج کمار کو دیکھا تھا وہ آن پہنچا ہے اتنی بات سننے کے بعد بڑھیا لاٹھی ٹیکتی سیدھی محل میں جا پہنچی۔ وہاں جا کر پدماوتی کو راج کنور کا پیغام دیا تو وہ سخت خفا ہوئی اور دسوں انگلیاں صندل میں بھگو کر بڑھیا کے منہ پر ماریں اور کہا کہ خبردار آئندہ سے تم نے کسی راج کنور کا نام لیا۔ بڑھیا پریشان ہو کر واپس آ گئی۔ راج کمار نے یہ سنا تو اداس ہو گیا۔ اس پر دیوان کے بیٹے نے کہا کہ فکر نہ کرو۔ جو دسوں انگلیاں صندل میں بھگو کر راج کماری نے بڑھیا کے منہ پر ماری ہیں تو اس میں اشارہ یہ ہے کہ میں دس روز کے بعد جب چاندنی ختم ہو جائے گی تو تمہیں اندھیرے میں اکیلی ملوں گی۔ دس روز کے بعد بڑھیا نے جا کر پدماوتی کو پھر راج کمار کا حال دل سنایا تو پدماوتی نے تین انگلیاں

پھر اس کے گالی پر ماریں۔ اور کہا نکل میرے گھر سے۔ آخر بڑھیا لاچار ہو کر وہاں سے چلی اور جو کچھ گذرا تھا آ کر کہہ دیا راج کمار یہ سنتے ہی غم کے دریا میں ڈوب گیا۔ اس کا یہ حال دیکھ کر پھر دیوان کے بیٹے نے کہا۔ اندیشہ نہ کر اس بات کا مدعا کچھ اور ہے دیوان کے بیٹے نے کہا وہ اس حالت میں ہے جو عادت عورتوں کی ہے اس لئے اور تین دن کا وعدہ ہے چوتھے روز وہ تمہیں بُلا لے گی۔

غرض تین دن ہو چکے تو بڑھیا نے جا کر پھر خیر وعافیت پوچھی۔ اس پر پدماوتی نے اُسے پچھم کی کھڑکی سے باہر نکال دیا۔ بڑھیا نے یہ حال راج کمار سے آ کر کہا۔ اس پر دیوان کے بیٹے نے کہا اس نے آج رات تمہیں پچھم کی کھڑکی کے راستے سے بُلایا ہے راج کمار بڑا خوش ہوا رات کو تیار ہو کر دونوں دوست گھوڑوں پہ سوار ہو کر محل کی طرف چلے۔ محل کی پچھمی کھڑکی کو دیکھا کہ کھلی تھی۔ دیوان کا بیٹا باہر کھڑا رہا۔ راج کمار اندر چلا گیا جا کر کیا دیکھتا ہے کہ وہ کنیا یعنی پدماوتی اندر اس کا انتظار کر رہی ہے۔ تب راجکماری راج کمار کو ساتھ لے کر رنگ محل میں گئی وہاں جا کر دیکھا کہ ہر طرف فانوس روشن ہیں اور سکھیاں پھولوں کی چنگیریں لئے کھڑی ہیں۔ ایک طرف سیج پھولوں کی بچھی ہے عطر دان، پان دان، پھول پاش، گلاب پاش دھرے ہیں۔ کستوری کیسر کٹوروں میں بھرا ہے بھانت بھانت کے پکوان دھرے ہیں تمام در ودیوار نقش نگار سے آراستہ ہیں اور ان میں ایسی تصویریں بنی ہیں کہ انسان دیکھتا ہی رہ جائے۔

غرض سارے عیش وطرب کے سامان مہیا ہیں عجیب مستی کا عالم ہے کہ جس کا کچھ بیان نہیں ہو سکتا۔ رانی پدماوتی نے راج کمار کو ایک جگہ لے جا کر بٹھایا۔ پاؤں صندل سے دھلوائے سارے بدن میں چندن لگایا پھولوں کے ہار پہنا کر گلاب چھڑکا اور پنکھا اپنے ہاتھ سے لے کر جھلنے لگی۔ کنور نے کہا ہم تمہارے دیدار سے ٹھنڈے ہوئے۔ اتنی تکلیف کیوں کرتی ہو۔ یہ تمہارے نازک ہاتھ تھک جائیں گے۔ لاؤ یہ پنکھا ہمیں دے دو۔ اس پر پدماوتی بولی۔ مہاراج آپ بڑی محنت کر کے ہمارے واسطے آئے ہیں ہم پر آپ کی خدمت کرنی لازم ہے تب ایک سہیلی نے پنکھا ہاتھ میں لے کر کہا کہ یہ ہمارا کام ہے کہ ہم خدمت کریں تم آپس میں پیار محبت کی باتیں کرو۔ باتیں کرتے کرتے صبح ہو گئی راجکماری نے اسے دن میں چھپا رکھا رات ہوئی تو وہ پھر عیش وعشرت میں مشغول ہو گئے اس طرح کتنے دن بیت گئے۔ راج کنور جب جانے کا ارادہ کرے تو راج کماری نہ جانے دے اسطرح سے ایک مہینہ گذر گیا تب تو راج کمار بہت گھبرایا۔ اور فکر مند ہوا کہ واپس جانا بھی ضروری ہے اور یہ راجکماری بھی اُسے جانے نہیں دیتی۔ ایک روز اسی فکر میں غلطاں تھا کہ راج کماری آ گئی۔ اداسی کی وجہ پوچھی تو راج کمار نے کہا۔

"پدماوتی! ایک دوست ہمارا بڑا پیارا دیوان کا بیٹا ہے۔ اس کا کچھ حال مہینے بھر سے معلوم نہیں ہے۔ وہ ایسا دانا پنڈت ہے کہ اس کی عقلمندی سے میں نے تجھے پایا اور انہوں نے تیرا سب بھید بتایا۔"

راج کماری بولی۔

"مہاراج! تمہارا دل تو اپنے دوست کی یاد میں پھنسا ہوا ہے تم یہاں کیا سکھ پاؤ گے! اس سے بہتر ہے کہ میں پکوان مٹھائی سب کچھ تیار کر کے بھجواتی ہوں۔ آپ بھی سدھاریں اور اپنے جگری دوست کو بہت کچھ کھلا پلا۔ اس کی بہت سی تسلی کر کے پھر سے آ جایئے۔"

یہ سنتے ہی راج کمار وہاں سے اٹھ کر باہر آ گیا۔ اتنے میں راج کماری نے زہر منگوا کر اسے مٹھائی میں ملا دیا اور راج کمار کو بھجوائی۔ کنور دیوان کے بیٹے کے پاس جا کر بیٹھا ہی تھا کہ اتنے میں مٹھائی آن پہنچی۔ دیوان کے بیٹے نے پوچھا کہ یہ مٹھائی کیوں آئی ہے؟ اس پر راج کمار نے ساری بات کھول کر بیان کر دی۔ دیوان کا بیٹا بولا۔

"تو نے میرے واسطے زہر منگوایا ہے۔ خیر ہوئی کہ تم نے آپس میں سے کچھ کھایا نہیں۔ مہاراج میری ایک بات سنیئے کہ رنڈی اپنے دوست کے دوست کو کبھی پسند نہیں کرتی۔ آپ نے اچھا نہ کیا۔ جو وہاں میرا نام لیا۔"

راج کمار کو دیوان کے بیٹے کی بات پر یقین نہ آیا اس نے ایک لڈو اٹھا کر کتے کے آگے ڈالا۔ جونہی اس نے لڈو کھایا وہ مر گیا یہ معاملہ دیکھ کر راج پتر اپنے جی میں غصے ہونے لگا کہ ایسی کھوٹی رنڈی سے ملنا اچھا نہیں یہ سن دیوان کا پتر بولا۔ مہاراج! جو ہوا سو ہوا۔ اب ایک کام کرنا چاہیئے کہ اسے اپنے گھر لے چلیں۔ راج پتر نے کہا۔ بھائی! یہ بھی تم ہی سے ہوگا۔ دیوان کے بیٹے نے کہا۔

"ایک کام آج کیجئے پدماوتی کے پاس جایئے اور جو کہوں سو کیجئے۔ پہلے تو اس کے پاس جا کر بہت سا پیار محبت کرو جب وہ سو جاوے تو تب اس کا زیور آتار یہ ترسول اس کی بائیں جانگھ میں مار۔ وہاں سے ترنت چلے آؤ۔"

یہ سُن پدماوتی کے پاس رات کو پہنچا۔ دونوں پہلے تو خوب پیار کرتے رہے جب پدماوتی سو گئی تو اس نے سارا گہنا آتار لیا اور بائیں جانگھ میں ترسول مارا۔ اور اپنے مکان کو چلا آیا۔ پھر آ کر سارا حال پردھان کے بیٹے کو بیان کیا اور گہنا آگے رکھ دیا۔ پھر وہ زیور اٹھا راج کمار کو ساتھ لئے جوگی کا بھیس بنا ایک مرگھٹ میں جا بیٹھا۔ خود گورو بن گیا اور راج کمار کو چیلا بنا کر کہا کہ تو بازار میں جا کر اس گہنے کو بیچ دے۔ اگر کوئی اس میں تجھے پکڑے تو اسے میرے پاس لے آنا۔ اس کی بات سن۔ راج پتر نے زیور کو لے شہر میں جا کر ایک سُنار کو دکھایا۔ اس نے دیکھتے ہی پہچان کر کہا یہ تو راجکماری کا گہنا ہے۔ سچ بتا تو نے اسے کہاں سے پایا؟ یہ اس سے کہہ رہا تھا کہ دس بیس آدمی اور بھی جمع ہو گئے۔ غرض کوتوال نے یہ خبر سُن سپاہی بھیج راجکمار کو معہ زیور کے پکڑ کر منگوا لیا۔ اور زیور کو دیکھ اس سے پوچھا کہ تو نے یہ زیور کہاں سے لئے! راج پتر نے کہا کہ مجھے میرے گورو نے بیچنے کو دیئے ہیں۔ کوتوال نے اسی وقت سپاہی بھیج کر گورو کو بھی پکڑ لیا اور دونوں کو گرفتار کرنے کے بعد راجہ کے سامنے پیش کیا۔ یہ ماجرا سن کر راجہ جوگی سے پوچھنے لگا کہ ناتھ جی! یہ گہنا تم نے کہاں سے لیا ہے؟ جوگی نے کہا۔

"مہاراجہ! کالی چودس کی رات کو میں مرگھٹ میں منتر سیدھ کرنے کو گیا تھا۔ وہاں ایک ڈاکنی آئی۔ اس کے پاس یہ زیور تھے میں نے اس کے یہ زیور اتار لیا اور بائیں جانگھ میں اس کی ترسول مار دیا۔ اس طرح یہ گہنا میرے ہاتھ آیا ہے۔"

یہ بات سن راجہ محل میں گیا اور جوگی آسن پر۔ راجا نے رانی سے کہا کہ تو پدماوتی کے بائیں جانگھ میں دیکھ کہ نشان ہے کہ نہیں اور کیسا نشان ہے۔ رانی نے جا کر دیکھا تو ترسول کا داغ ہے۔ واپس آ کر راجا سے کہا کہ مہاراج! تین نشان ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ کسی نے ترسول مارا ہے۔ یہ بات سن کر باہر آ کر راجا نے کوتوال سے کہا۔ جاؤ جوگی کو لے آؤ۔ کوتوال اسوقت جوگی کو لے آیا۔ راجا نے اسے ایک طرف لے جا کر پوچھا۔ گوسائیں جی! دھرم شاستر میں استری کے واسطے کیا ڈنڈ لکھا ہے؟ تب جوگی بولا۔ مہاراج! برہمن، گئو، استری، لڑکا اور جو کوئی اپنے آسرے میں اگر ان سے کوئی کام کھوٹا ہو تو اُن کے واسطے یہ ڈنڈ لکھا ہے کہ اُسے دیس نکالا دیجئے۔

یہ سُن کر راجہ نے پدماوتی کو ڈولی میں سوار کروا، ایک جنگل میں چھوڑ دیا پھر اپنے مقام سے دونوں گھوڑوں پر سوار ہو اس جنگل میں جا کر رانی پدماوتی کو ساتھ لے اپنے شہر کو چلے بعد چند روز کے اپنے ماں باپ کے پاس جا پہنچے۔ سب چھوٹے بڑوں کو خوشی ہوئی اور وہ داد عیش دینے لگے۔ اتنی بات بتا کر بیتال نے راجا بکرم سے پوچھا کہ ان چاروں میں سے پاپ کس کو ہوا! جو تم اس کا انصاف نہ کرو تو نرک میں پڑو گے۔ راجا بکرم بولا۔ کہ اس راجا کو پاپ ہوا۔ بیتال نے کہا کہ راجا کو کس طرح پاپ ہوا! راجا بکرم نے جواب دیا کہ بیٹے نے تو اپنے خاوند کا کام کیا۔ کوتوال نے راجا کا حکم مانا۔ راج کماری نے اپنا مقصد حاصل کیا اس

لئے یہ پاپ راجا کو حاصل ہوا کہ بنا سوچے سمجھے اُسے دیس نکالا دے دیا۔ اتنی بات راجہ بکرم کے منہ سے سن کر بیتال واپس درخت پر جا لٹکا۔

بیتال کی دوسری کہانی

راجا نے دیکھا کہ بیتال نہیں ہے پھر الٹا پھر الٹا اسی جگہ پہنچ، درخت پر چڑھ، اس مردے کو باندھ کر کاندھے پر رکھ لے چلا۔ تب بیتال بولا کہ راجا دوسری کتھا یوں ہے کہ دریائے جمنا کے کنارے دھرم ستھل نام کا ایک شہر ہے کہ جہاں کا گن دھپ نام راجا تھا وہاں ایک برہمن کیشو دریائے جمنا کے کنارے ریاضت کیا کرتا تھا۔ اور اس کی بیٹی کا نام مدھومالتی تھا وہ بڑی خوبصورت تھی، جب بیاہنے کے لائق ہوئی تب اس کے ماں باپ کو فکر ہوئی۔ اتفاق سے اس کا باپ کسی ججمان کے ساتھ شادی میں کہیں گیا تھا اور بھائی اس کا کسی گاؤں میں گورو کے ہاں پڑھنے گیا تھا کہ پیچھے اس کے گھر میں ایک برہمن کا لڑکا آیا۔ اس کی ماں نے اس لڑکے کا روپ اور گن دیکھ کر کہا۔ میں اپنی لڑکی کی شادی تجھ سے کروں گی ادھر مدھومالتی کے باپ نے ایک لڑکا پسند کر لیا۔ اور اسے بچن دے دیا کہ میں اپنی بیٹی کی شادی تجھ سے کروں گا۔ اس کے بھائی نے بھی ایک برہمن کے لڑکے سے وعدہ کیا کہ میں اپنی بہن کی شادی تجھ سے کروں گا۔ کتنے دنوں بعد دونوں باپ بیٹا ایک ایک لڑکے کو ساتھ لے کر گھر آ گئے۔ وہاں ایک تیسرا لڑکا بھی بیٹھا ہوا تھا۔ ایک کا نام تر بکرم دوسرے کا نام بامن اور تیسرے کا نام مدھوسودن تھا۔ وہ تینوں حسن، عقل، علم اور بہادری میں برابر تھے۔ ان کو دیکھ کر برہمن فکر کرنے لگا کہ اب وہ کیا کرے اور ان تینوں میں سے کس کے ساتھ اپنی لڑکی کا بیاہ کرے۔ عجیب مصیبت سامنے آ گئی تھی۔ ایک لڑکی اور تین بر تھے۔ وہ اس فکر میں بیٹھا تھا کہ اس لڑکی کو سانپ نے ڈسا اور وہ مر گئی۔ یہ سن کر اس کا باپ بھائی، ماں اور تینوں لڑکے رونے لگے۔ بڑی کوشش کی۔ بڑا علاج کیا منتر جھاڑے مگر لڑکی زندہ نہ ہوئی۔ برہمن نے اپنی لڑکی کے مردے کو لے جا کر مرگھٹ میں پھونک دیا۔ آپ تو چلا گیا، پیچھے ان تینوں نوجوانوں نے یہ کیا کہ ایک نے لڑکی کی ہڈیوں کو چن کر باندھا اور فقیر ہو کر جنگل جنگل کی سیر کو نکل گیا۔ دوسرے نے اس کی راکھ کو گٹھڑی میں باندھا اور وہیں رہنے لگا۔ تیسرا جوگی ہو کر شہر شہر پھرنے لگا۔

ایک دن کسی شہر میں ایک لڑکا برہمن کے گھر بھوجن کو گیا۔ وہ گھر بار والا برہمن اس کو دیکھ کر کہنے لگا کہ آج یہاں کھانا کھائیں۔ جس وقت رسوئی تیار ہوئی۔ اس کے ہاتھ پاؤں دھلا کے جا چوکے میں بٹھا لیا۔ آپ بھی اس کے پاس بیٹھ گیا اور اس کی برہمنی کھانا پیش کرنے آئی۔ وہ کھانا لگا رہی تھی کہ اس کے چھوٹے بچے نے رو کر ماں سے ضد کی۔ ماں نے اسے پرے ہٹایا مگر وہ باز نہ آیا اور ضد کرتا رہا۔ تنگ آ کر ماں نے اسے اٹھا کر چولہے میں ڈال دیا جہاں وہ جل کر راکھ ہو گیا۔ یہ حال جب اس برہمن نے دیکھا تو بنا کھائے پیئے اٹھ کھڑا ہوا۔ گھر والا بولا کہ تو کس لئے بھوجن نہیں کرتا۔ وہ بولا کہ جس گھر میں ایسا وحشیانہ کام ہو اس کے گھر میں کوئی کس طرح سے بھوجن کرے۔ یہ سن کر گھر والا برہمن ایک اور کمرے میں گیا اور وہاں سے مردہ زندہ کرنے والے علم کی کتاب اٹھا کر لے آیا اس میں سے ایک منتر نکال کر اس کا جپ کیا اور مردہ لڑکے کو پھر سے زندہ کر دیا۔ برہمن نے سوچا کہ اگر یہ پوتھی یعنی کتاب میرے ہاتھ لگے تو میں اپنی پیاری مدھومالتی کو پھر سے زندہ کر سکتا ہوں۔ یہ سوچ کر وہ وہیں رہ گیا۔ شام کا کھانا ان سب نے مل کر کھایا۔ پھر وہ سونے کے لئے ادھر ادھر پڑ رہے۔ برہمن بھی ایک طرف ہو کر لیٹ گیا مگر جاگتا رہا۔ جب آدھی رات ہو گئی اور اس نے دیکھا کہ گھر کے سب لوگ سو گئے ہیں تو وہ اٹھا اور مردہ زندہ کرنے والے علم کی کتاب بغل میں دبا کر وہاں سے چل دیا۔ چلتے چلتے آخر وہ اس مرگھٹ میں آ گیا جہاں برہمن کی بیٹی کو جلایا تھا۔ اس نے ان دونوں برہمنوں کو بھی وہاں بیٹھا پایا کہ آپس میں باتیں کرتے تھے۔ وہ دونوں اس کے پاس آ کر بولے کہ بھائی تم شہر شہر پھرتے رہے تم نے کون سا علم سیکھا؟ برہمن نے کہا کہ میں نے مردہ زندہ کرنے کا علم سیکھا ہے اس نے جھٹ کہا کہ اگر یہ علم سیکھا ہے تو بتاؤ، ساری کو زندہ کرو۔ برہمن نے کہا کہ راکھ کا ڈھیر اکٹھا کرو تو میں اُسے زندہ کروں۔

بس سب نے مل کر راکھ اور ہڈیاں اس برہمن زادی کی اکٹھی کر لیں۔ برہمن نے کتاب میں سے ایک منتر نکال کر اس کا جپ کیا۔ تب وہ لڑکی جی اٹھی۔ پھر وہ تینوں آپس میں جھگڑنے لگے۔ اتنی بات کہہ کر بیتال بولا کہ اے راجا بتا کہ وہ استری کس کی ہوئی؟ راجا بکرم بولا کہ جو منڈھی باندھ رہا تھا وہ استری اُس کی ہوئی۔ بیتال بولا۔ جو وہ ہڈیاں نہ رکھتا تو وہ کس طرح سے جیتی؟ اور دوسرا علم نہ سیکھتا تو وہ کس طرح سے اسے زندہ کرتا؟ راجا نے کہا کہ جس نے اُس کی ہڈیاں رکھی تھیں وہ تو اس کے بیٹے کی جگہ ہوا۔ اور جس نے جیو دان دیا وہ اس کا باپ ہوا۔ اس لئے جورو اُس کی ہوئی جو راکھ سمیت وہاں مرگھٹ میں رہا۔ یہ جواب سن کے بیتال پھر اُسی درخت پر جا لٹکا، راجا بھی اس کے پیچھے پیچھے جا پہنچا۔ اور اسے باندھ کاندھے پر رکھ کر پھر لے چلا۔

بیتال کی تیسری کہانی

بیتال بولا اے راجہ! بردوان نام کا ایک شہر ہے اس شہر میں روپ سین نام کا ایک راجا رہتا تھا۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ راجہ سامنے والے مکان کی ڈیوڑھی میں بیٹھا تھا کہ اسے کچھ اوپری اوپری آوازیں سنائی دیں۔ راجا نے پوچھا کہ دروازے پر یہ کیسا شور ہے؟ دربان نے کہا، مہاراج! آپ نے یہ بھلی بات پوچھی۔ دولت مند کی ڈیوڑھی میں بڑے لوگ آن کر بیٹھ جاتے ہیں اور بھانت بھانت کی بولیاں بولتے ہیں۔ یہ ان ہی لوگوں کا شور ہے یہ سن کر راجا چپ ہو رہا۔ اتنے میں ایک مسافر جنوب کی طرف سے آیا۔ اس کا نام بیر بر تھا۔ وہ نوکری کرنے آیا۔ دربان اُسے راجا کے پاس لے آیا۔ بیر بر راجپوت نے کہا کہ وہ چاکری کرنے کے لئے آیا ہے۔ راجہ نے کہا کہ اے راجپوت تیرے لئے روز خرچ کرنے کو کیا کر دوں؟ راجپوت نے کہا کہ اے راجا! مجھے ہر روز ہزار تولے سونا دو تو میری گذر بسر ہو گی۔ راجہ نے پوچھا تمہارے ساتھ لوگ کتنے ہیں؟ راجپوت نے کہا، میری استری، ایک بیٹا، ایک بیٹی اور ایک میں خود۔ اس کی یہ بات سن کر راجہ کے دربار کے سبھی لوگ منہ پھیر کر ہنسنے لگے۔ پر راجہ اپنے جی میں غور کرنے لگا کہ اتنی دولت اس نے کیوں مانگی؟ پھر خود ہی سوچا کہ چلو دھن دیا ہوا ایک نہ ایک روز کام آتا ہے۔ چنانچہ اس نے بھنڈاری کو بلا کر کہا کہ ہمارے خزانے میں سے ہر روز ایک ہزار تولے سونا اس بیر بر راجپوت کو دیا کرو۔

جس روز راجپوت کو ہزار تولے سونا ملا تو اس کو آدھا کر کے اس نے آدھے کو برہمنوں میں بانٹ دیا۔ باقی آدھے میں سے اس نے پھر دو حصے کئے۔ ایک حصہ سنیاسیوں میں بانٹ دیا۔ باقی کا کھانا پکوا کر غریبوں کو کھلا دیا اور جو کھانا بچا وہ خود بچوں سمیت کھایا اسی طرح روز وہ اپنے بیوی بچوں سمیت گذران کرتا تھا۔ لیکن رات کو تلوار ڈھال لے کر وہ راجہ کے سرہانے جا کر کھڑا ہو جاتا۔ آدھی رات کو جب راجہ اٹھ کر پوچھتا کوئی ہے۔ تو راجپوت فوراً کہتا۔ میں حاضر ہوں مہاراج! کیا حکم ہے؟ اس طرح سے وہ دن رات اپنے مالک کے خیال میں رہتا۔ اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، اسے اپنے مالک کا ہی دھیان رہتا۔ پس ریت یہ ہے کہ جو کسی کو بیچتا ہے تو خود بک جاتا ہے۔ پر چاکری کرنے والا آپ چاکری کر کے خود کو بیچ دیتا ہے۔ اور جب بکا تو تابعدار ہو گیا۔ جو کسی کا محتاج ہو گیا تو اس کو پھر سکھ کہاں؟ مشہور ہے کہ کیسا ہی عاقل پنڈت ہو۔ لیکن جس وقت اپنے مالک کے سامنے ہوتا ہے تو ڈر کے مارے گونگا ہو جاتا ہے۔ اس لئے پنڈت لوگ کہتے ہیں کہ سیوا دھرم کو تا جوگ دھرم سے بھی کٹھن ہے۔

چنانچہ ایک روز ایسا ہوا کہ اتفاق سے مرگھٹ سے رات کے وقت کسی رنڈی کے رونے کی آوازیں آنے لگیں۔ راجا سن کے پکارا۔ کوئی ہے؟ بیر بر سنتے ہی بولا۔ حاضر جو حکم۔ پھر راجہ نے یوں حکم دیا۔ جہاں سے رونے کی آواز آتی ہے وہاں جاؤ اور رونے کا سبب معلوم کر کے جلد واپس آؤ۔ راجا نے سوچا کہ نوکر کو وقت بے وقت حکم دے کر، بھائیوں کو برے وقت میں اور بیوی کو ناداری میں پرکھو۔ غرض یہ حکم پاکر بیر بر اس عورت کے رونے کی آواز پہ گیا۔ راجہ بھی کالے کپڑے پہن کر اس کے پیچھے پیچھے گیا کہ اس کی جرأت آزمائے۔ بیر بر مرگھٹ میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک رنڈی جس نے سر سے پاؤں تک زیور پہن رکھے ہیں بیٹھی زار و قطار رو رہی ہے۔ کبھی ناچتی، کبھی دوڑتی، اور کبھی کودتی ہے۔ آنکھوں میں ایک آنسو بھی نہیں۔ لیکن سر پیٹ پیٹ کر، ہائے ہائے کرتی، وہ زمین پر لوٹ لوٹ جاتی ہے۔ یہ حال دیکھ کر بیر بر نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے اور اپنا یہ حال کس لئے بنایا ہے؟ تب وہ عورت بولی۔ میں راج لکشمی ہوں۔ بیر بر نے پوچھا۔ تو کس کارن روتی ہے؟ پھر اس عورت نے اپنی حالت بیر بر سے کہنی شروع کی۔ کہ راجا کے گھر میں شودر کرم ہوتا ہے اس سے اس کے گھر میں الکشمی آوے گی اور میں وہاں سے نکل جاؤں گی۔ ایک ماہ کے بعد راجہ نہایت دکھ پا کے مر جائے گا۔ اس دکھ سے روتی ہوں۔ اور میں نے اس کے گھر میں بہت سکھ پایا ہے اس لئے رو رہی ہوں۔ کیونکہ یہ بات کسی طرح سے جھوٹ نہ ہوگی۔ ہونی ہو کر رہے گی۔ بیر بر نے پوچھا۔ کیا کوئی ایسا بھی علاج ہے کہ راجہ بچ جائے اور سو برس جیئے۔

اس پر وہ عورت بولی کہ پورب کی طرف ایک جوجن پر دیوی کا مندر ہے اگر تو اس دیوی کو اپنے بیٹے کا سر اپنے ہاتھ سے کاٹ کر دے تو راجا سو برس تک اسی طرح راج کرے اور کوئی اور کوئی خلل اس میں نہ ہووے گا۔ یہ بات سنتے ہی بیر بر اپنے گھر کو چلا۔ راجہ بھی اس کے پیچھے ہو لیا۔ غرض جب وہ گھر آیا تو اپنی جورو کو جگایا اور سارا احوال بیان کیا۔ اس نے یہ حال سن کر اپنے بیٹے کو جگایا۔ تب بیٹی بھی جاگی۔ ماں نے کہا کہ بیٹا تیرا سر دینے سے راجا کی زندگی بچتی ہے اور راج بھی قائم رہتا ہے۔ یہ سن کر بیٹا بولا۔ ماتا! ایک تو آپ کا حکم ہے دوسرے سوامی کا کاج۔ تیسرے یہ جسم اگر دیوتا کے کام آوے تو اس سے اچھی کوئی بات دنیا میں نہیں ہے۔ پھر بیر بر نے اپنی بیوی سے کہا جو تو خوشی سے اپنے لڑکے کو دے دے تو میں لے جا راجا کے لئے دیوی کے آگے بل دوں۔ بیوی نے کہا۔ مجھے بھائی بہن، بیٹی بیٹا، ماں باپ، کسی سے کام نہیں۔ میری زندگی تم سے ہے اور شاستروں میں بھی لکھا ہے کہ بیوی کا دھرم خاوند کی سیوا ہے۔ اگر وہ دنیا میں دھرم کرم کے کام کرے اور خاوند کا حکم نہ مانے تو دوزخ میں پڑے۔ پس چاروں بچے کو لے کر دیوی کے مندر کو چلے۔ راجہ بھی ان کے پیچھے پیچھے چلا۔

جب بیر بر مندر میں پہنچا تو وہاں جا کر دیوی کے آگے ہاتھ جوڑے اور پوجا کر کے بولا۔ اے دیوی! میرے بچے کے قربانی دینے سے راجہ کی عمر سو سال کی ہوئے اور وہ سو سال تک حکومت کرے۔ اتنا کہہ کر ایک وار کھانڈے کا ایسا مارا کہ بچے کا سر کٹ کر زمین پر گر پڑے۔ بھائی کے مرنے کو دیکھ کر بہن نے ایک کھڑاگ ایسا مارا کہ منڈ تنڈ جدا ہو کر گر پڑے۔ بیٹے بیٹی کو مرتے دیکھ کر بیوی نے تلوار اپنی گردن پر ماری اور وہ بھی سورگ باش ہوگئی۔ پھر ان تینوں کا مرنا دیکھ کر بیر بر اپنے دل میں سوچنے لگا کہ جب لڑکے ہی مر گئے تو نوکری کس واسطے کروں اور سونا راجہ سے لے کر کس کو دوں گا؟ یہ سوچ کر تلوار کا ایک وار اپنی گردن پر ایسا مارا۔ کہ سر تن سے جدا ہو کر گر پڑا۔

پھر ان چاروں کا مرنا دیکھ کر راجہ نے اپنے دل میں بچار کیا کہ ان لوگوں نے میرے واسطے اپنی اپنی جان دے دی۔ اب ایسے راج کو لعنت ہے کہ جس کے لئے ایک کا سارا کنبہ برباد ہو جاوے۔ اور ایک بیٹھا راج کرے۔ یہ بچار کر کے راجہ نے چاہا کہ تلوار گردن پر مار کر مر جاوے۔ کہ دیوی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور کہا کہ اے پُتر! میں تیرے قول پر خوش ہوں، جو تو مجھ سے مانگے سو میں تجھ کو دوں۔ راجا نے کہا۔ ماتا! جو تو خوش ہوئی ہے تو ان چاروں کو پھر سے زندہ کر دے۔ دیوی نے کہا۔ یہی ہووے گا۔ یہ کہہ کر بھوانی نے پاتال سے امرت لاکر ان سب کو زندہ کر دیا بعد اس کے راجا نے آدھا راج اپنا بیر بر کو بانٹ دیا۔ اتنی بات کہہ کر بیتال بولا۔ مبارک ہے وہ آدمی کہ جس نے اپنے مالک کے لئے اپنے سارے خاندان کو قربان کر دیا۔ اور جس نے راج پاٹ کے لئے اپنی زندگی کی بھی پروا نہ کی۔ اے راجہ! میں تم سے یہ پوچھتا ہوں۔ کہ ان پانچوں میں سے کس کی نیکی بہترین ہوئی؟ تب راجہ بکرماجیت بولا کہ راجہ کی نیکی مناسب ہوئی۔ بیتال بولا۔ کس کارن؟ تب راجا نے جواب دیا کہ مالک کے واسطے جی دینا چاکر کو مناسب ہے کیونکہ اس کا یہی دھرم ہے لیکن راجا نے جو نوکر کے لئے راج پاٹ چھوڑ، جان اپنی کو تنکے کے برابر نہ جانا، اس وقت راجا کی نیکی قابل تعریف ہے۔ اتنی بات سن کر بیتال پھر شمشان کے درخت پر جا لٹکا

بیتال کی چوتھی کہانی

راجہ وہاں جا کر پھر بیتال کو باندھ کر لے چلا۔ تب بیتال بولا کہ اے راجا، بھوگوتی نام کی ایک نگری ہے۔ وہاں کا راجا روپ سین ہے۔ ایک طوطا اس کے پاس ہے ایک دن اس طوطے سے راجا نے پوچھا۔ تو کیا کیا جانتا ہے؟ تب طوطا بولا۔ مہاراج! میں سب کچھ جانتا ہوں۔ راجا نے کہا کہ اگر تو سب کچھ جانتا ہے تو بتا کہ میرے برابر سندر ناری کہاں ہے؟ طوطے نے کہا۔ راجا! مگدھ دیش میں مگدھیشور نام کا ایک راجا ہے اور اس کی بیٹی کا نام چندراوتی ہے۔ تمہاری شادی اس کے ساتھ ہووے گی۔ وہ سندر ہے اور بڑی عالم فاضل ہے طوطے کی یہ بات سن کر راجا نے اسی وقت اپنے درباری جوتشی کو بلایا اور پوچھا کہ بتا ہماری شادی کس لڑکی سے ہووے گی جوتشی نے نجوم کا حساب لگا کر کہا۔

"چندراوتی نام کی ایک لڑکی ہے جو مگدھ دیش کی راج کماری ہے۔ اے راجا! تمہاری شادی اسی لڑکی سے ہووے گی"۔

یہ بات سن کر راجا نے ایک برہمن کو سب کچھ سمجھا کر راجا مگدھیشور کے نام یہ پیغام دے کر روانہ کیا کہ اگر ہماری شادی چندراوتی سے ہو گئی تو دیوتا خوش ہوں گے۔ برہمن سے بھی کہا کہ اگر تم ہماری شادی وہاں کرانے میں کامیاب ہو جاؤ گے تو ہم تمہیں خوش کریں گے۔ یہ بات سن برہمن رخصت ہو گیا۔ مگدھیشور راجا کی بیٹی کے پاس ایک مینا تھی اس کا نام مدن منجری تھا اسی طرح راج کنیا نے بھی ایک دن اس مینا سے پوچھا کہ میرے لائق شوہر کہاں ہے؟ مینا نے کہا، بھوگ وتی نگر کا راجہ روپ سین تیرا خاوند ہوگا چند دنوں کے بعد وہ برہمن بھی وہاں پہنچ گیا اور اس راجا سے اپنے راجا کا سندیس کہا۔ راجا نے اس کی بات مان لی اور ٹیکا اور سب رسوم کی چیزیں برہمن کے ساتھ کر کے راجا کو سندیسہ بھیجا کہ جب تم آؤ گے تب ہم اپنی بیٹی کی تم سے شادی کر دیں گے۔

غرض یہ دونوں برہمن وہاں سے چلے۔ کافی دنوں کے بعد وہ راجہ روپ سین کے پاس آن پہنچے۔ اور سارا احوال بیان کیا۔ یہ سن کر راجا خوش ہوا۔ ساری تیاری کر کے بیاہ کرنے چلا۔ اس دیش میں پہنچ کر چندراوتی سے بیاہ کر کے واپس اپنے دیس کو چلا۔ راج کنیا نے بھی چلتے سمے مینا کا پنجرہ اپنے ساتھ لے لیا۔ کتنے دنوں کے بعد اپنے دیس میں آ گئے۔ اور سکھ سے اپنے مندر میں رہنے لگے۔ ایک دن کی بات ہے کہ دونوں پنجرے طوطا مینا کے پاس رکھے تھے کہ راجا رانی آپس میں کہنے لگے۔ "اکیلے رہنے سے کسی کا دل نہیں بہلتا۔ اس سے بہتر ہے کہ طوطے مینا کی شادی کر کے دونوں کو ایک ہی پنجرے میں کر دیں کہ یہ بھی سکھ سے رہیں"۔ پس ایک بڑا سا پنجرہ منگوا کر دونوں کو ایک جگہ رکھ دیا۔

چند روز بعد راجا رانی آپس میں بیٹھے کچھ باتیں کرتے تھے کہ طوطا مینا سے کہنے لگا۔ دنیا

میں وصل ہی اصل شے ہے جس نے وصل کی لذت نہیں اٹھائی اس کا جیون ناحق گیا اس لئے تو مجھے وصل کی لذت حاصل کر لینے دے۔ یہ سن کر مینا بولی۔ کہ نر گنہگار ہے وہ بیوی سے بے وفائی کرتا ہے۔ یہ سن کر طوطا بولا کہ عورت بھی احمق اور بے وفا ہوتی ہے جب اس طرح سے دونوں جھگڑنے لگے تو راجا نے پوچھا۔

"تم کس واسطے آپس میں جھگڑ رہے ہو؟"

مینا نے کہا مہاراج! مرد پاپی ہوتا ہے۔ اس واسطے مجھے نر کی چاہ نہیں ہے۔ مہاراج! میں ایک بات کہتی ہوں۔ اسے سنیئے۔ امید پور نام ایک نگر تھا وہاں مہادھن نام کا ایک سیٹھ رہتا تھا۔ کہ اس کے اولاد نہ ہوتی تھی۔ اس کے لئے وہ تیرتھ کرتا۔ برہمنوں کو خیرات دیا کرتا۔ غرض کتنی مدت بعد اس سیٹھ کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس نے بڑی دھوم دھام سے اس کی شادی کی۔ لڑکا جب پانچ برس کا ہوا۔ تو اسے پڑھنے بٹھایا۔ وہ گھر سے تو پڑھنے کو جاتا۔ اور وہاں لڑکوں میں جا کر جوا کھیلتا۔ رات کو رنڈی بازی کرتا۔ اسی طرح وہ کئی برس میں اپنا سارا دھن دولت لٹا کر کنگال ہو گیا اور اپنے دیس سے نکل کر چندرپور نگر میں جا پہنچا وہاں ہیم گپت نام کا ایک ساہوکار تھا۔ اس کو جا کر اپنے باپ کا نام بتایا۔ ساہوکار نے اس کی بڑی خاطر مدارات کی اور پوچھا کہ وہ کس طرح وہاں آیا ہے! تب اس نے کہا۔

"میں جہاز لیکر ایک جزیرے میں سوداگری کو گیا تھا اور وہاں جا کر مال کو بیچ دوسرے مال کو لاد کر واپس جہاز میں آ رہا تھا کہ یکایک ناگہاں ایک ایسا طوفان آیا کہ جہاز تباہ ہو گیا اور میں ایک تختے پر بیٹھا رہ گیا۔ سو یہاں تک آن پہنچا ہوں۔ کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ مال و دولت تو سب جاتا رہا۔ اب اس حالت میں اپنے شہر والوں کو جا کر کیا منہ دکھاؤں گا؟"

وہ اس طرح کی باتیں کر رہا تھا اور ساہوکار سوچ رہا تھا کہ اس کا فکر تو خدا نے گھر بیٹھے ہی مٹا دیا۔ چنانچہ وہ لڑکے کو لیکر اپنی بیوی کے پاس گیا۔ لڑکا واپس گیا تو ساہوکار نے بیوی سے کہا کہ لڑکا اچھا ہے۔ اگر تم کہو تو اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دیں۔ اس سے اچھا بر ہمیں کہیں نہیں ملے گا۔ بیوی نے کہا کہ یہ سنجوگ تو بھگوان نے بنایا ہے اس لئے جلدی سے اپنی بیٹی رتناوتی کی شادی اس سے کر دو۔ چنانچہ جھٹ پروہت بلا کر شبھ لگن مہورت میں ان کی شادی کر دی اور بہت سا جہیز دیا۔

دونوں میاں بیوی وہیں رہنے لگے۔ پھر کچھ عرصے بعد ساہوکار کی بیٹی سے اس نے کہا کہ ہمیں اس دیس میں آئے بڑے دن ہو گئے۔ اپنے گھر بار کی کچھ خبر نہیں۔ اس سے ہمارا دل بہت اداس رہتا ہے اپنی ماں سے کہو کہ اب ہمیں اجازت دے کہ میں تمہیں لیکر اپنے دیس میں جاؤں۔ رتناوتی نے اپنی ماں سے کہا کہ میرا خاوند یہاں سے جانا چاہتا ہے خسر نے لڑکے کو بلا کر اجازت دے دی۔ لڑکی کو ڈولے میں بٹھایا۔ ساتھ بڑی دولت کر دی اور اپنے دیس سے رخصت کیا جب یہ دونوں ایک جنگل میں پہنچے تو خاوند نے کہا۔

"یہ جنگل بڑا گھنا ہے۔ چوری ڈاکے کا ڈر ہے۔ بہتر ہے کہ تم اپنا سارا زیور مجھے دے دو کہ میں اسے کمر سے باندھ لوں۔ پھر آگے جب شہر آئے گا تو پھر تم زیور کو پہن لینا۔"

بیوی نے سنتے ہی سارا زیور اتار کر خاوند کو دے دیا۔ اس نے زیور لے کہاروں کو الوداع کہہ کر بیوی کو مار اور کنوئیں میں پھینک دیا اور ساری دولت لیکر اپنے دیس کو چلا۔

اتنے میں ایک مسافر ادھر سے گذرا اور رونے کی آواز سن کر وہاں رک گیا سوچنے لگا کہ اس جنگل سے رونے کی آواز کہاں سے آتی ہے۔ یہ سوچ کر رونے کی آواز کی طرف چلا تو سامنے ایک کنواں نظر آیا۔ دیکھتا کیا ہے کہ کنوئیں کے اندر ایک عورت روتی ہے۔ اس نے عورت کو کنوئیں سے نکال کر اس سے حال پوچھا کہ تو کون ہے اور کس طرح سے اس کنوئیں میں گری؟ یہ سن کر رتناوتی نے کہا کہ میں سیٹھ ہیم گپت کی بیٹی ہوں اپنے خاوند کے ساتھ سسرال کو جاتی تھی کہ ڈاکوؤں نے آگھیرا۔ اور میری داسی کو مار مجھے کنوئیں میں پھینک دیا۔ اور گہنے سمیت میرے شوہر کو باندھ کر لے گئے یہ سن کر وہ مسافر رتناوتی کو ساتھ لے آیا اور اس سیٹھ کے دروازے پر پہنچ گیا۔ رتناوتی اپنے ماں باپ کے پاس گئی۔ وہ اسے دیکھ کر پوچھنے لگے۔ کہ یہ تیری کیا حالت ہوئی؟ اس نے کہا کہ راہ میں ہمیں چوروں نے لوٹا اور داسی کو مار میرے شوہر کو گہنے سمیت باندھ کر لے گئے تب اس کا باپ بولا۔ بیٹی تو فکر نہ کر تیرا خاوند زندہ ہے کیونکہ چور دولت کے لالچی ہوتے ہیں وہ کسی کی جان نہیں لیا کرتے اس نے اپنی بیٹی کو اور گہنے لا کر دے دیئے۔

ادھر سیٹھ کا بیٹا یعنی رتناوتی کا خاوند زیور لے کر گھر آ گیا اور اس دولت سے جوا کھیلنے اور رنڈی بازی کرنے لگا یہاں تک کہ سارے کے سارے روپے خرچ ہو گئے۔ تب روٹی کا محتاج ہو گیا۔ آخر جب حالت بہت خراب ہو گئی تو یہ سوچ کر سسرال کو چلا کہ جا کر کہوں گا۔ تمہارے نواسا پیدا ہوا ہے۔ دھن دولت دو۔ کئی دن کے سفر کے بعد پہنچا جب وہ سسرال کے گھر میں داخل ہونے لگا تو سامنے اس کی بیوی نے دیکھا تو سوچا کہ ایسا نہ ہو کہ اس کا خاوند ڈر کر بھاگ جائے چنانچہ قریب آ کر کہا۔ سوامی۔ تم اپنے جی میں کسی بات کی پرواہ مت کرو۔ میں نے اپنے باپ سے یہی کہا ہے کہ چوروں نے آن کر داسی کو مار دیا اور میرا زیور اتروا مجھے کنوئیں میں ڈال میرے خاوند کو باندھ کر لے گئے یہی بات تم بھی میرے باپ کو کہنا اور فکر مت کرو۔ گھر تمہارا ہے اور میں تمہاری داسی ہوں۔

یہ کہہ کر وہ گھر میں چلی گئی۔ یہ اس کے سیٹھ باپ کے پاس گیا۔ اس نے اٹھ کر گلے لگایا سب حال پوچھا۔ جو اس کی بیوی نے اسے سمجھایا تھا وہی کچھ اسے کہا سارے گھر میں خوشی ہوئی۔ سیٹھ نے اپنے داماد کو اشنان کروا کر کہا یہ بھی تمہارا گھر ہے جب تک جی چاہے رہو اور عیش کرو۔ وہ وہاں رہنے لگا۔ غرض کتنے دنوں کے بعد ایک رات کو اس کی بیوی زیور پہنے اس کے پاس آئی اور پھر سو گئی جب رات کافی گذر گئی اور خاوند نے دیکھا کہ وہ سو گئی ہے تب ایک چھری ایسی اس کے گلے میں ماری کہ وہ بے چاری مر گئی۔ وہ سارا زیور لے کر اپنے دیس کو روانہ ہوا۔

اتنی بات کہہ کر مینا بولی۔ یہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس واسطے مجھے مرد سے کوئی کام نہیں۔ مہاراج! دیکھو تو پرش کی ذات ایسی بٹ مارہ ہوتی ہے کون ایسے سے دوستی کر گھر میں سانپ پالے۔ اس پر طوطا بولا کہ مہاراج! یہ سوچئے کہ رنڈی نے کیا گناہ کیا تھا؟ یہ سن کے راجا نے پوچھا کہ ہاں بتا! رنڈی نے کیا گناہ کیا تھا۔

تب وہ طوطا بولا۔ مہاراج! سنیئے۔

رنڈی کا گناہ

مہاراج! کنچن پور ایک شہر ہے۔ اس شہر میں ایک سیٹھ ساگر دت اپنے بیٹے شودت کے ساتھ رہتا تھا ایک اور نگر جے شری نگر میں ایک سیٹھ سوم دت اپنی بیٹی جے شری کے ساتھ رہتا تھا۔ جے شری شودت سے بیاہی ہوئی تھی اور اپنے سسرال میں رہتی تھی۔ اس کا خاوند سوداگری کو باہر گیا ہوا تھا۔ جب اسے سوداگری میں بارہ برس گذر گئے اور وہ یہاں جوان ہوئی تو ایک روز اپنی سکھی سے کہنے لگی۔ اے بہن میرا جوبن یونہی جاتا ہے۔ سنسار کا سکھ اب تک میں نے کچھ نہیں دیکھا ہے یہ بات سن کر سکھی نے جواب دیا۔ تو اپنے دل میں صبر کر۔ بھگوان چاہے تو تیرا خاوند جلد تجھ سے آن ملتا ہے۔ یہ بات سن کر غصے میں آ کر جے شری بالکونی میں چڑھ کر جھروکے میں جھانکی تو دیکھتی کیا ہے کہ ایک جوان چلا آ رہا ہے۔ دونوں کی نظریں چار ہوئیں۔ تب اس نے اپنی سکھی سے کہا کہ اس نوجوان کو میرے پاس لے آ۔ سکھی نے جا کے نوجوان سے کہا کہ سوم دت کی لڑکی تجھ کو تنہائی میں بلاتی ہے پر تم میرے

گھر آنا۔ پھر اسے اپنے گھر کا پتا دیا۔ نوجوان نے کہا کہ رات کو میں آؤں گا۔

رات کو نوجوان سکھی کے گھر پہنچ گیا۔ سکھی نے اسے ڈیوڑھی میں بٹھلایا اور خود جا کر جے شری کو خبر کی جے شری نے کہا ذرا ٹھہرو گھر کے سب لوگ سو جائیں تو چلتی ہوں۔ پھر جب آدھی رات کا عمل ہوا تو جے شری چپکے سے اٹھ کر اس کے ساتھ چلی جے شری نے اس نوجوان کے ساتھ وصل کیا اور رات کے آخری پہر تک رہی پھر وہاں سے صبح سے پہلے گھر آ کر سو گئی اس طرح سے کتنے ہی دن گذر گئے۔ ان ہی دنوں اس کا خاوند پردیس سے سوداگری کر کے واپس گھر آ گیا جے شری نے سکھی سے کہا۔ اب کیا کروں۔ یہ تو آ گیا ہے اب اپنے ساجن سے کیسے ملوں گی۔ غرض جوں توں کر کے دن کاٹا۔ شام کو اس کا خاوند کھانا کھا چکا تو اس کی ساس نے ایک الگ چوبارے میں سیج لگوا کر شوہر سے کہا کہ تو جا کر وہاں آرام کر۔ پھر اپنی لڑکی سے کہا کہ جا کر اپنے شوہر کی سیوا کر۔ وہ بے بس ہی ہو کر وہاں گئی اور ایک طرف منہ کر کے سو رہی اس نے خاوند سے کوئی بات نہ کی اور نہ ہی بھوگ کیا۔ وہ تھکا ماندہ تھا سو رہا۔

جب وہ سمجھی کہ اب وہ سو رہا ہے۔ تو چپکے سے اٹھ کر اندھیری رات کو نڈر ہو کر اپنے یار کے مکان کو چلی۔ راستے میں ایک چور نے دیکھ کر اپنے من میں خیال کیا کہ یہ عورت زیور پہنے اکیلی رات کے وقت کہاں جاتی ہے یہ بات سوچ کر اس کے پیچھے ہو لیا۔ عورت اپنے یار کے مکان پر پہنچی۔ وہاں اسے سانپ کاٹ گیا تھا۔ اور وہ مرا پڑا تھا۔ اس نے جانا کہ سو رہا ہے برہ کی آگ میں جل رہی تھی بس اس سے لپٹ گئی چور یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہاں ایک پیپل کے درخت پر ایک بھوت بھی بیٹھا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ اچانک اس کے دل میں آیا کہ اس عورت کے بدن میں بیٹھ اس سے بھوگ کروں بس وہ اس کے بدن میں آیا۔ اس نے سیوگ کیا اور اس کی ناک دانت سے کاٹ واپس درخت پر جا بیٹھا۔ عورت روتی پیٹتی اپنی سکھی کے پاس گئی سکھی نے کہا جلدی سے واپس اپنے شوہر کے پلنگ پر جا کر لیٹ جا اور صبح ہوتے تو دھاڑیں مار کر رو۔ اور کہنا کہ اس نے میری ناک کاٹ دی ہے جے شری یہ سنتے ہی گھر جا کر اپنے خاوند کے پلنگ پر لیٹ گئی اور رونے لگی۔ سارے گھر کے لوگ جمع ہو گئے کیا دیکھتے ہیں کہ اس کی ناک کٹی ہے۔ اس نے کہا کہ میرے خاوند نے میری ناک کاٹ دی۔ خاوند بڑا حیران ہوا جے شری کے باپ نے کوتوال کو خبر کر دی۔ وہاں سے سپاہی آئے اور شوہر کو باندھ کر کوتوال کے پاس لے گئے۔ کوتوال نے پوچھا یہ تو نے کیا کیا؟ شوہر نے کہا کہ وہ کچھ نہیں جانتا۔ بیوی نے کہا کہ اس ظالم نے میری ناک کاٹی ہے۔ بس شوہر کو باندھ کر راجا کے سامنے لے گئے۔ راجا نے کہا کہ اسے لے جا کر سولی پر چڑھا دو۔ لوگ راجا کے حکم کے مطابق اسے پھانسی چڑھانے لے چلے۔ جب یہ حالت ہوئی۔ تو وہ چور بھی وہاں کھڑا تھا جب اسے یقین ہو گیا کہ یہ شخص بے گناہ مارا جا رہا ہے تو اس نے دہائی دی۔ راجا نے بلوا کر پوچھا کہ تو کون ہے؟ چور نے کہا۔

"مہاراج میں چور ہوں۔ اور یہ بے گناہ ہے۔ ناحق اس کا خون ہوتا ہے۔ آپ نے کچھ انصاف نہ کیا۔"

راجہ نے کہا کہ اپنے دھرم سے کہہ کر اصل ماجرا کیا ہے۔ تب چور نے پورے حالات بیان کر دیئے اور راجہ بھی سمجھ گیا ہرکارے بھیج کر اس رنڈی کے یار کو جو مرا پڑا تھا دیکھا۔ اس کے منہ میں اس عورت کی ناک تھی۔ راجہ نے شوہر کو چھوڑ دیا۔ اور عورت کو سزا دی۔ اتنی بات کہہ کر طوطا بولا۔

"مہاراج! ایسے عملوں کی عورتیں ہوتی ہیں۔" یہ بات سن کر بیتال پھر چلا گیا اور اسی درخت پر جا لٹکا۔ راجا بکرم نے اسے وہاں سے اتار کاندھے پر رکھا اور لے چلا۔

پانچویں داستان بیتال کی

بیتال بولا۔ اے راجہ! اجین نام کے ایک نگر میں مہابل نام کا ایک راجہ حکومت کرتا تھا اس کا ایک سفیر تھا۔ سفیر کی بیٹی کا نام مہادیوی تھا۔ وہ بڑی خوب صورت تھی جب وہ شادی کرنے کے قابل ہوئی تو اس کے باپ کو اس کی شادی کی فکر ہوئی۔ ایک دن لڑکی نے اپنے باپ سے کہا۔ پتا! جو سب گن جانتا ہو ایسا خاوند مجھے لا کر دینا۔ باپ نے کہا فکر نہ کر جو سب علم رکھتا ہو گا تیری شادی اسی سے ہو گی۔ باپ نے ہری داس کو بلا کر کہا کہ جنوب کی طرف ہری چند نام کا ایک راجہ ہے۔ وہاں جاؤ۔ اس کو میری خیریت کی اطلاع کرو اور اس کی خیریت کی اطلاع مجھے دو۔ ہری داس روانہ ہو گیا۔ راجہ کے پاس جا کر ہری داس نے اپنے راجہ کا سندیسہ دیا اور اس کے پاس رہنے لگا۔ ایک دن راجہ نے پوچھا! اے ہری داس ابھی برے دنوں کا آغاز ہوا ہے کہ نہیں! ہری داس نے کہا کہ مہاراج برے وقت کا آغاز ہو چکا ہے کیونکہ اس دنیا میں جھوٹ بڑھ گیا ہے۔ اور سچ گھٹ گیا ہے۔ لوگ منہ پر بات میٹھی کہتے ہیں اور دل میں نفرت رکھتے ہیں۔ دھرم جاتا رہا ہے۔ پاپ بڑھ رہا ہے۔ زمین پھل کم دینے لگی ہے۔ راجہ ڈانڈ لینے لگے ہیں۔ برہمن لالچی ہو گئے ہیں شاستروں کی شرم اٹھ گئی ہے۔ بیٹا باپ کا حکم نہیں مانتا۔ بھائی بھائی کا اعتبار نہیں کرتا۔ بھائیوں سے بھائی چارہ جاتا رہا۔ خاوندوں سے وفا اٹھ گئی۔ خدمت کرنے والوں نے خدمت چھوڑ دی۔ جب راجا سے یہ سب کچھ کہہ چکا تو راجہ اٹھ کر محل میں گیا ہری داس اپنی جگہ پر چلا گیا۔ اتنے میں ایک برہمن زادہ اس کے پاس آ کر کہنے لگا۔ کہ میں تم سے کچھ مانگنے آیا ہوں۔ اس نے کہا مانگ کیا مانگتا ہے برہمن زادے نے کہا۔ اپنی بیٹی مجھے دے دے۔ ہری داس بولا کہ جس میں سب گن ہوں گے میں اس کو دوں گا۔ یہ سن کر برہمن بولا کہ میں سارا علم جانتا ہوں۔ پھر ہری داس نے کہا کہ کچھ اپنی حکمت مجھے بھی دکھا۔ برہمن نے کہا کہ میں نے ایک رتھ بنایا ہے۔ اس میں اتنی طاقت ہے کہ اسے جہاں جانے کا حکم دو گے وہ تمہیں وہاں پہنچا دے گا۔ ہری داس نے کہا کہ اس رتھ کو میرے پاس لے آؤ۔ غرض برہمن صبح کے وقت رتھ ہری داس کے پاس لے آیا پھر یہ دونوں رتھ پر سوار ہو کر اجین نگر میں آن پہنچے۔ پر اتفاق سے یہاں ایک اور برہمن زادے نے اس کے بڑے بیٹے سے آ کر کہا تھا کہ بیٹی مجھے دے دے۔ میں بہت علم جانتا ہوں اس طرح ایک اور برہمن زادہ بھی وہاں لڑکی سے بیاہ کرنے کی امید لئے بیٹھا تھا۔ یوں یہ تینوں وہاں پر آ کر اکٹھے ہو گئے۔ ہری داس دل میں فکر کرنے لگا۔ ایک لڑکی ہے اور تین برہمن کسے دوں! کسے نہ دوں؟ اسی فکر میں تھا کہ رات کو ایک دیو اس لڑکی کو اٹھا کر بندھیاچل پہاڑ کی دوسری طرف لے گیا۔

جب صبح ہوئی تو گھر کے سبھی لوگوں کو معلوم ہوا کہ لڑکی غائب ہے۔ اب باپ نے تینوں میں سے ایک کو پوچھا۔ اے گیانی! تو بتا کہ لڑکی کہاں گئی؟ گھڑی دو گھڑی سوچنے کے بعد اس نے کہا کہ تمہاری لڑکی کو ایک دیو اٹھا کر پربت کے پار لے گیا ہے۔ دوسرا بولا کہ اس کو مار کر میں لے آؤں گا۔ پھر تیسرا بولا کہ ہمارے رتھ پر سوار ہو جاؤ اور لڑکی کو لے آؤ۔ یہ سن کر وہ نوجوان جھٹ سے اس رتھ پر سوار ہوا۔ پربت پار پہنچا۔ دیو کو قتل کر کے لڑکی کو واپس گھر لے آیا۔ اب تینوں آپس میں جھگڑنے لگے۔ کہ لڑکی کس کے ساتھ بیاہ کرے۔ باپ نے کہا تم تینوں نے مجھ پر احسان کیا ہے کسے لڑکی دوں کسے نہ دوں۔ اتنی کتھا کہہ کر بیتال بولا اے راجہ بکرم! ان تینوں میں سے وہ لڑکی کس کے پاس گئی؟ راجہ بولا۔ وہ جو دیو راکشش کو مار کر لایا بیتال نے کہا۔ سب کا گن برابر ہے۔ کس طرح سے وہ اس کی بیوی ہوئی؟ راجا نے کہا ان دونوں نے احسان کیا۔ اس سے ان کو ثواب ہوا۔ اور یہ لڑ کر اسے مار کر لایا۔ اس واسطے وہ اس کی جورو ہوئی۔ یہ بات سن بیتال پھر چلا گیا۔ اور اسی درخت پر جا لٹکا۔ راجہ نے اسے اتار کر کندھے پر بٹھایا اور لے چلا۔

چھٹی کہانی

بیتال بولا اے راجہ! دھرم پور نام ایک نگر ہے وہاں ایک راجہ تھا دھرم شیل اس کا نام تھا اور اس کے وزیر کا نام اندھک تھا اس نے ایک

دن راجا سے کہا کہ اے مہاراج! ایک مندر بنا اس میں دیوی کو بٹھا روز پوجا کریں کہ اس کا شاستروں میں بڑا ثواب لکھا ہے۔ تب راجہ نے ایک مندر بنوالیا۔ دیوی کی مورتی اس کے اندر رکھی اور دل وجان سے اس کی پوجا کرنے لگا۔ اسے ایسی عادت پڑ گئی کہ پوجا کئے بنا وہ پانی بھی نہ پیتا تھا۔ اس وقت پوجا کرتے جب مدت گذر گئی تو دیوان نے کہا مہاراج! مثل مشہور ہے کہ جس کے گھر اولاد نہیں اس کا گھر ویران ہے بے وقوف کا دل خالی ہوتا ہے۔ راجہ یہ بات سن مندر میں چلا گیا اور دیوی کے آگے گڑگڑایا۔ دیوی نے خوش ہو کر کہا۔ مانگ کیا مانگتا ہے راجہ! راجہ نے کہا اے دیوی! مجھے ایک لڑکا دے دے۔ دیوی نے کہا۔ جا راجہ! تیرے گھر ایک لڑکا پیدا ہوگا جو بڑا طاقتور اور عاقل ہوگا۔

دیوی کا کہا پورا ہوا۔ اور راجہ کے ہاں ایک چاند سا لڑکا پیدا ہوا۔ لڑکا پرورش پانے لگا۔ اس عرصے میں اتفاق سے اس مندر سے ایک نوجوان دھوبی کا گذر ہوا۔ اس نے دیوی کا مندر دیکھا تو پوجا کرنے کا ارادہ کیا۔ مندر میں اسے ایک دھوبی کی لڑکی دھوبن نظر آئی جو بڑی خوب صورت تھی۔ دھوبی کے دل کو وہ دھوبن بھا گئی۔ اسی وقت اس نے دعا کی کہ اے دیوی اگر میری شادی اس دھوبن سے ہو جائے تو میں اپنا سر چڑھاؤں۔ یہ منت مان دھوبی اپنے دوست کے ساتھ واپس اپنے شہر میں چلا گیا۔ کچھ ہی دنوں بعد اس کے دل میں دھوبن کی یاد ستانے لگی۔ اس کی حالت اتنی خراب ہوئی کہ اس کے باپ نے اس کے دل کا حال معلوم کر لیا اور شادی کا پیام لے کر دھوبن کے شہر میں اس کے باپ کے پاس پہنچا اور جا کر لڑکی کا رشتہ مانگا۔ وہ مان گیا۔ دھوبی کا باپ واپس اپنے شہر آ گیا اور شادی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ بس پھر دونوں کی شادی ہو گئی اور دونوں بڑی خوشی خوشی رہنے لگے۔ پھر کتنے دنوں کے بعد کا ذکر ہے کہ لڑکی کے گھر کوئی مذہبی جلسہ تھا۔ اس نے اپنی بیٹی اور داماد کو بلوا بھیجا۔ دونوں میاں بیوی اپنے دوست کے ساتھ چل پڑے۔ جب شہر کے قریب پہنچے تو سامنے دیوی کا مندر دکھائی دیا۔ تب دھوبی کو اپنی منت یاد آئی۔ پھر اس نے سوچا کہ میں بڑا جھوٹا ہوں۔ کہ دیوی سے کئے گئے وعدے کو بھول گیا۔

اتنی بات اپنے من میں کہہ اپنے دوست سے کہا۔ تم یہاں کھڑے رہو۔ میں ذرا مندر میں جا کر دیوی کا درشن کر آؤں۔ بیوی سے کہا کہ تو بھی اس جگہ ٹھہرنا۔ یہ کہہ کر مندر میں پہنچا۔ تالاب میں جا کر غسل کیا۔ پھر دیوی کے آگے جا کر ہاتھ جوڑے اور تلوار کا وار سر پر ایسا کیا کہ گردن کٹ گئی اور سر زمین پر گر پڑا۔ جب وہ باہر نہ آیا تو اس کے دوست نے بیوی کو وہیں روک کر مندر میں جا کر معلوم کیا۔ پتہ چلا کہ اس نے دیوی کے آگے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا ہے۔ اسے خیال آیا کہ کہیں کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس نے اپنے ہاتھ سے سر دیوی پر چڑھایا ہے۔ سب یہی کہیں گے کہ اس کی بیوی سندر تھی، چنانچہ دوست نے اسے قتل کر دیا ہے اور اب جھوٹ بولتا ہے۔ اس لئے بدنامی سے یہی بہتر ہے کہ یہاں مر جاؤں۔ پس اس نے بھی غسل کیا۔ دیوی کے آگے جا کر اس کی پوجا کی۔ اشیرواد لیا۔ اور چپکے سے تلوار نکال کر ایک ایسا وار گردن پر مارا کہ سر تن سے الگ ہو کر گر پڑا۔ لڑکی وہاں اکیلی کھڑی اکتا کر راہ دیکھ دیکھ تنگ ہوا سے تلاش کرتی دیوی کے مندر میں گئی وہاں جا کر کیا دیکھتی ہے کہ دونوں مرے پڑے ہیں۔ پھر اس نے اپنے جی میں سوچا۔ کہ لوگ تو یہ نہ جانیں گے کہ یہ اپنی مرضی سے دیوی پر قربان ہو گئے ہیں سب یہی کہیں گے۔ کہ رانڈ فاجرہ تھی۔ بدکاری کرنے کے لئے دونوں کو مار آئی۔ یہ سوچ کر سرو ٹندی میں خطہ لگا۔ دیوی کے سامنے آکر تلوار اٹھائی۔ چاہا کہ گردن پر مارے کہ دیوی نے سنگھاسن سے اتر کر اس کا ہاتھ تھام لیا اور کہا کہ اے بیٹی میں تجھ سے خوش ہوئی۔ لڑکی نے کہا ماتا! جو تو مجھ سے خوش ہوئی ہے تو ان دونوں کو پھر سے زندہ کر دے۔ دیوی نے کہا کہ ان کے دھڑوں کے ساتھ سر لگا دے۔ لڑکی نے مارے خوشی کے سر بدل کے لگا دیئے اور دیوی نے امرت لا کر چھڑک دیا۔ یہ دونوں جی کر اٹھے اور آپس میں جھگڑنے لگے۔ ایک کہے استری میری ہے ایک کہے استری میری ہے۔

اتنی کہانی سن کر بیتال بولا کہ اے راجہ بکرم! ان دونوں میں بیوی کس کی ہوگی؟ بکرم راجہ نے کہا سن شاستروں میں اس کا پرمان لکھا ہے کہ ندیوں میں گنگا اتم ندی ہے اور پہاڑوں میں سمیر و پربت عظیم الشان ہے۔ درختوں میں کلپ درخت اور اعضاؤں میں سر سب سے عظیم ہے اس حساب سے جس کا اتم انگ ہے اس کی استری ہوئی۔ یہ بات سن بیتال پھر چلا گیا۔ اور اسی درخت پر جا لٹکا۔ پھر راجہ بھی جا اس کو درخت سے اتار، گٹھڑی باندھ کاندھے پر رکھ کر لے چلا۔

ایک انوکھی کہانی

بیتال بولا کہ اے راجا! چمپاپور نام کا ایک نگر ہے وہاں کا راجہ ہے چمپ کیشور۔ اس کی رانی کا نام سلوچنا اور بیٹی کا نام سندری، جو بڑی ہی حسین لڑکی تھی جس کا چہرہ چاند سا تھا۔ بال کالی گھٹا ایسے اور آنکھیں ہرن کی آنکھوں کو شرماتی تھیں۔ اسکے حسن کی جوت دن بدن بڑھتی تھی۔ جب وہ بڑی ہوئی۔ تو راجہ اور رانی نے اپنے دل میں فکر کیا کہ اس کی شادی ہونی چاہئے۔ دیس دیس کے راجوں کو ایسی خبر گئی کہ راجہ چمپکیشور کے گھر ایسی لڑکی پیدا ہوئی ہے کہ جس کے حسن کو دیکھتے ہی لوگ دیوانے ہو جاتے ہیں۔ پھر ملک ملک کے راجاؤں نے اپنی مورتیں لکھوا لکھوا کر راجہ کے ہاں بھجوائیں۔ راجہ نے اپنی بیٹی کو سب تصویریں دکھائیں، پر اس کو کوئی بھی پسند نہ آئی۔ تب تو راجہ نے کہا کہ تو سوئمبر کر وہ بات بھی اس نے نہ مانی اور اپنے باپ سے کہا۔ کہ حسن، طاقت اور عقل، جس میں یہ تینوں خوبیاں ہوں گی میں تو اس کے ساتھ بیاہ کروں گی۔

غرض جب کتنے دن بیتے تو چاروں دیس سے چار بر آئے۔ پھر ان سے راجہ نے کہا اپنا اپنا گن اور عقل مندی اور علم میرے آگے ظاہر کرو۔ ان میں سے ایک بولا مجھ میں یہ گن ہے کہ ایک کپڑا بن کر بیچتا ہوں جب اس کا مول میرے ہاتھ آتا ہے تب اس میں سے ایک لعل برہمن کو دیتا ہوں۔ دوسرا دیوتا کو چڑھاتا ہوں۔ تیسرا اپنے انگ لگاتا ہوں چوتھا استری کے واسطے رکھتا ہوں۔ پانچویں کو بیچ کر روٹی لے کر بھوجن کرتا ہوں۔ دوسرے نے کہا کہ میں جل تھل کے رہنے والے جانوروں کی بولیاں جانتا ہوں۔ میری طاقت کا دوسرا نہیں ہے۔ تیسرے نے کہا کہ میں ایسا شاستر سمجھتا ہوں کہ میرے جیسا دوسرا نہیں ہے۔ چوتھے نے کہا کہ میں شاستروں کا علم جانتا ہوں۔ یہ چاروں کی باتیں سن کر راجہ نے سوچا۔ کہ چاروں گن میں برابر ہیں۔ لڑکی کس کو دوں؟ یہ سوچ کر اس نے لڑکی کے پاس جا کر چاروں کے گن بیان کر دیئے۔ لڑکی نے سر جھکا لیا اور کوئی جواب نہ دیا۔ بیتال نے پوچھا اے راجہ! تو بتا کہ یہ لڑکی کس کے لائق تھی۔ اس نے کہا جو کپڑا بنا کر بیچتا ہے سو ذات کا شودر ہے اور جو بھاشا جانتا ہے وہ ذات کا ویش ہے۔ جو شاستر پڑھتا ہے وہ برہمن ہے اور جس کا علم ہی لڑکی کے لائق ہے سو لڑکی اسے ملنی چاہیئے تھی۔ یہ سن کر بیتال پھر اسی پیڑ پر جا لٹکا اور راجہ بھی وہاں جا۔ اسے باندھ، کاندھے پر رکھ لے کر آگے کی طرف روانہ ہو گیا۔

آٹھویں کہانی

تب بیتال بولا کہ اے راجہ متھلاوتی نام کا ایک نگر ہے۔ وہاں کا راجہ گنادھپ۔ اس کی سیوا کرنے کو دور دیس سے ایک چرم دیو نامی راج کمار اس کی خدمت میں آیا۔ اور اس راجہ کے درشن کو جاتا مگر ملاقات نہ ہوتی تھی جتنی دولت اس کے پاس تھی وہ ایک برس کے اندر اندر ختم ہو گئی۔ اس کے پاس کچھ نہ رہا۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ راجہ جنگل میں شکار کو چلا۔ چرم دیو بھی اس کی سواری کے ساتھ ہو لیا اتفاق سے راجہ جنگل میں جا کر اپنی فوج سے الگ ہو گیا۔ اور لوگ سواری والے ایک اور جنگل میں جا کر بھٹک گئے۔ لیکن ایک چرم دیو راجہ کے پیچھے پیچھے تھا اس نے پکار کر کہا۔

"مہاراج! آپ کے لوگ سواری کے بھٹک گئے ہیں اور میں آپ کے گھوڑے کے ساتھ ساتھ جا رہا ہوں۔"

یہ سن کر راجہ نے گھوڑے کو پٹیا اور اس کے برابر آ کر پوچھا کہ تو کس واسطے کمزور ہو رہا ہے تب یہ بولا کہ جس سوامی کے پاس رہے بیٹا وہ ایسا ہو کہ ہزاروں کو جانتا ہوں مگر اپنی خبر نہ لے تو اس میں اس کو کچھ دوش نہ دو مگر اپنے کرم کا دوش ہے۔ جیسے دن کو سارا جہان دیکھتا ہے مگر الو کو دکھائی نہیں دیتا۔ اس میں گناہ سورج کا کیا ہے حیرت ہے مجھ کو کہ جس نے ماں کے پیٹ میں مجھے روزی پہنچایا تھا۔ اور پھر کہا۔

"اے راجہ! یہ چھ باتیں آدمی کو ہلکا کرتی ہیں۔ ایک تو کھوٹے نر کی پریت، دوسرے بلا وجہ کی ہنسی تیسرے ستری سے بیاہ کرنا چوتھے بد اندیش مالک کی خدمت، پانچویں گدھے کی سواری اور چھٹے بنا سنسکرت کے بھاشا۔"

چرم دیو نے اور بھی عقل مندی کی باتیں کہیں۔ راجہ نے کہا۔ مجھے بھوک لگی ہے کیا یہاں کچھ کھانے کو مل جائے گا؟ چرم دیو نے کہا مہاراج میں ابھی لاتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ جنگل میں گیا۔ ایک ہرن کا شکار کر کے اس کے گوشت کو بھون کر راجہ کے آگے لے آیا۔ جب راجہ پیٹ بھر چکا تو اس نے کہا اے راج پتر! اب ہمیں ہمارے شہر میں لے چلو کہ ہمیں راستے کا علم نہیں ہے۔ چرم دیو راجہ کو محل میں لے گیا۔ تب راجہ نے اس کی نوکری مقرر کر دی اور بہت سے کپڑے اور زیورات دیئے پس وہ راجہ کی خدمت میں حاضر رہنے لگا۔

غرض ایک دن راجہ نے کسی کام کے لئے سمندر کے کنارے چرم دیو کو بھیجا۔ جب سمندر کے کنارے پہنچا تو اس نے ایک دیوی کا مندر دیکھا۔ اس میں جا کر دیوی کی پوجا کی اور جب وہاں سے باہر نکلنے لگا تو ایک سندر نائیکا سامنے آ کر اس سے پوچھنے لگی کہ اے نوجوان مرد! تو یہاں کس لئے آیا ہے؟ وہ بولا عیش کرنے کے لئے آیا ہوں۔ اور تیرے حسن کو دیکھ کر تجھ پر مائل ہوا ہوں۔ اس سندری نے کہا کہ اگر تو مجھ سے کچھ ارادہ رکھتا ہے تو پہلے تالاب میں جا کر غسل کر، پھر اس کے بعد جو تو کہے گا وہ میں کروں گی۔ یہ سن کر اس نے تالاب میں کپڑے اتار غوطہ لگایا۔ اب جو باہر نکل کر دیکھتا ہے کہ اپنے نگر میں کھڑا ہے۔ یہ دیکھ کر اپنے گھر جا کپڑے بدل راجہ کے پاس آ کر سارا ماجرا بیان کیا۔ راجہ نے سنتے ہی کہا کہ یہ اچنبھا مجھے بھی دکھا۔ یہ کہہ کر راجا اور وہ دونوں سواری منگوا اس پر سوار ہو اسی تالاب کے کنارے آئے پہلے دیوی کے مندر میں جا کر پوجا کی۔ باہر نکلے تو وہی نائیکا ایک سہیلی ساتھ لئے وہاں آن کھڑی ہوئی۔ اور راجہ کے حسن پر فریفتہ ہو کر بولی کہ اے راجہ! تو جو مجھے حکم دے میں ویسا ہی کروں۔ راجہ نے کہا کہ اگر میری بات مانتی ہو تو پھر میرے اس سیوک سے بیاہ کر۔ وہ بولی کہ میں تو تجھ پر عاشق ہوں اس خادم سے بیاہ کیسے کروں؟ راجہ نے کہا۔

"ابھی تو نے کہا تھا کہ جو میں کہوں گا وہ تو کرے گی۔ اور محبت کرنے والے اپنے قول کے پکے ہوتے ہیں۔ اپنے وعدے کو نبھا اور میرے خادم سے بیاہ کر کے اس کی بیوی بن۔"

یہ سن کر وہ سندری بولی جو آپ نے کہا سو مجھے منظور ہے۔ تب راجہ اپنے سیوک کا بیاہ کر دونوں کو اپنے ساتھ لے اپنی راجدھانی میں آیا۔ اس پر بیتال نے راجہ بکرماجیت سے پوچھا کہ اے راجہ بتا ان دونوں میں سے کس کی نیکی زیادہ ہوئی؟ راجہ بولا خادم کی۔ پھر بیتال بولا کہ جس راجہ نے ایسی سندر ناری پا کر خادم کو دے دی اس راجہ کی نیکی زیادہ نہ ہوئی؟ تب راجہ بکرماجیت نے کہا جس کا دھرم بخشش کرنا ہے سو ان کے لئے بخشش میں ہی نیکی ہے یہ سن کر بیتال درخت پر جا کر لٹک گیا راجہ نے اسے وہاں سے اتارا اور اپنے کاندھے پر ڈال کر چل دیا۔

بیٹے کی جدائی

بیتال بولا اے راجہ! کسمابتی نام کی ایک نگری میں سبھان نام کا راجہ حکومت کرتا تھا۔ اس کی ایک بیٹی چندر پربھا تھی حسن میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا جب وہ بیاہنے کے لائق ہوئی تو ایک دن بسنت کے موسم میں اپنی سہیلیوں کو ساتھ لے باغ کی سیر کو چلی۔ وہاں ایک برہمن کا لڑکا منسوی نام کا کہیں پہلے سے پھرتا پھرتا آ ایک درخت کے نیچے آ کر سو رہا تھا یہ لڑکا بڑا خوب صورت تھا۔ راج کماری اپنی سکھیوں کے ساتھ باغ میں آگئی۔ اسے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ اتفاق سے سہیلیوں کے ساتھ سیر کرتی ہوئی چندر پربھا وہاں آتی ہے جہاں وہ برہمن کا سندر لڑکا درخت تلے سو رہا ہے ان عورتوں کا وہاں پہنچنا تھا کہ لڑکا ان کے پاؤں کی آہٹ پا کر بیدار ہو گیا۔ دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں۔ لڑکے پر بھی چندر پربھا کی محبت کا تیر کام کر گیا۔ اور لڑکی بھی محبت کا زخم کھا کر بے سدھ ہو کر گرنے لگی تھی کہ سکھیوں نے اسے تھام لیا۔ سکھیاں اسی وقت اسے اٹھا کر محل میں لے آئیں۔ باغ میں برہمن کا بیٹا ایسا بے سدھ پڑا تھا کہ اسے اپنے تن من کی کچھ خبر نہ تھی۔

برہمن کے بیٹے کی حالت خراب ہو گئی۔ اس عرصے میں دو برہمن ششی اور مول دیو علم حاصل کرنے کے بعد ادھر آ نکلے۔ مول دیو نے اس برہمن کے لڑکے کو پڑا ہوا دیکھ کر کہا کہ اے ششی! ایسا بے سدھ یہ سندر کیوں پڑا ہے؟ وہ بولا کہ نائیکا نے آنکھوں کے تیر مارے ہیں اس سے یہ بے سدھ پڑا ہے۔ مول دیو نے کہا اسے اٹھانا چاہیئے۔ اس نے کہا کہ اسے اٹھانے سے کیا درکار ہے؟ اس نے ششی کا کہنا نہ مانا اور اسے پانی چھڑک کر اٹھایا اور پوچھا کہ تیری یہ حالت کیسے ہوئی؟ وہ برہمن بولا۔ دکھ کو اس سے کہیے جو دکھ دور کرے۔ جو دکھ کو دور نہ کر سکے اس سے کہنا بے حاصل ہے۔ وہ بولا اچھا تو اپنی پیڑ ہمارے آگے کہہ۔ ہم دور کریں گے۔ یہ سن کر وہ بولا۔ ابھی راج کماری سکھیوں کو ساتھ لئے یہاں آئی تھی۔ سو اس کے دیکھنے سے میری یہ حالت ہو گئی ہے۔ جو وہ ملے گی تو میں زندہ رہوں گا نہیں تو خود کشی کر لوں گا۔ برہمنوں نے کہا کہ ہمارے ستھان پر چل، ہم تمہارے ملاپ کا پربندھ کریں گے۔ نہیں تو تجھے بہت سا دھن دیں گے۔

تب منسوی بولا۔

"دنیا میں بھگوان نے بہت رتن پیدا کئے ہیں پر عورت کا موتی سب سے اعلٰے اور بلند ہے۔ اور اسی کے لئے انسان دولت کی خواہش کرتا ہے جب عورت کو چھوڑ دیا تو دولت کو لے کر کیا کروں گا جن کو خوبصورت عورت میسر نہ ہو ان سے تو دنیا میں جانور بھلے ہیں دھرم کا پھل ہے دھن۔ دھن کا پھل ہے سکھ۔ سکھ کا پھل ہے عورت۔ اور جہاں عورت نہیں وہاں سکھ کیسے؟"

یہ سن کے مول دیو بولا کہ جو تو مانگے گا سو دوں گا۔ تب اس نے کہا کہ اے برہمن مجھے وہی کنیا وہی راجکماری لا دے۔ مول دیو نے کہا۔ اچھا تو ہمارے ساتھ چل۔ ہم تمہیں وہی کنیا لا دیں گے۔ غرض بہت سی تسلی کر اسے اپنے ساتھ گھر لے گیا۔ وہاں جا کر ایک گٹکا اس برہمن کو دے کر کہا کہ اسے اپنے منہ میں رکھے گا تو بارہ برس کی لڑکی بن جائے گی۔ جب اسے منہ سے باہر نکالے گا تو اسی طرح مرد بن جائے گا۔ لے اب اسے اپنے منہ میں رکھ۔ برہمن زادے نے اس گٹکے کو منہ میں رکھا تو اسی وقت عورت بن گیا مول دیو نے ایک گٹکا اپنے منہ میں رکھا اور اسی برس کا بڈھا بن گیا پس اس بارہ برس کی لڑکی کو لے جا کر راجہ کے ہاں گیا۔ راجہ نے برہمن کو دیکھ کر اٹھ کر تعظیم کی۔ بیٹھنے کو آسن دیا۔ ایک آسن اس لڑکی کو بھی دیا۔ تب برہمن نے ایک اشلوک پڑھ کر دعا دی۔ یہ سن کر راجا نے پوچھا مہاراج! آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ مول دیو برہمن بولا کہ گنگا پار سے میں آیا ہوں اور وہیں میرا گھر ہے اور میں اپنے بیٹے کی بہو کو لینے گیا تھا۔ پیچھے میرے گاؤں میں بھگدڑ مچی سو میں نہیں جانتا کہ میرا پتر اور میری بیوی کہاں چلی گئی! اب میں اس لڑکی کو ساتھ لئے اسے کہاں تلاش کرتا پھروں گا۔ پس آپ کے پاس آیا ہوں کہ جب تک میں اپنے بیٹے اور بیوی کو تلاش کر کے واپس نہ آؤں اسے اپنے پاس رکھیں۔

یہ سوچ کر راجہ اپنے دل میں فکر کرنے لگا کہ اتنی حسین لڑکی کو میں کس طرح اپنے پاس رکھوں اور جو نہیں رکھتا تو یہ برہمن بددعا دے گا میرا راج ختم ہو جائے گا یہ سوچ کر راجہ بولا مہاراج! جو آپ نے حکم دیا وہ مجھے قبول ہے۔ پھر راجہ نے اپنی بیٹی راجکماری چندر پربھا کو بلا کر کہا بیٹی اس برہمن کی بہو کو اپنے پاس لے جا کر بڑے خیال سے رکھو اور سوتے جاگتے کھاتے پیتے اسے اپنے سے جدا نہ کرو۔ اور اس کی حفاظت کرو۔ یہ سن کر چندر پربھا اس لڑکی

کو اپنے ساتھ لے گئی۔ رات وہ دونوں ایک پلنگ پر سوئیں اور آپس میں باتیں کرنے لگیں باتیں کرتے کرتے برہمن کی بہو بولی۔

"اے راج کماری! تو کس دکھ کی وجہ سے اتنی کمزور ہو گئی ہے۔ تو اپنا دکھ اپنے دل کا حال مجھ سے کہہ میں اس کا علاج کر دوں گی۔"

راج کماری نے کہا۔

"ایک دن بسنت رُت میں سہیلیوں کو ساتھ لے میں باغ کی سیر کر رہی تھی کہ وہاں ایک بہت خوب صورت برہمن لڑکا میں نے دیکھا اور اس کی میری نگاہیں چار ہوئیں۔ ادھر وہ بے ہوش ہوا۔ ادھر میں بے سدھ ہوئی۔ تب سکھیاں میری حالت دیکھ کر مجھے گھر کو لے آئیں اور اس برہمن کا نام پتا میں کچھ نہیں جانتی۔ میری آنکھوں میں اس کی صورت سمائی ہے اور مجھے کھانے پینے کی بھی کچھ پروا نہیں رہی۔ بس اسی دن سے میری یہ حالت ہو گئی ہے

یہ سن کر وہ برہمن کی بہو بولی۔ کہ جو میں تجھے تیرے پریتم سے ملا دوں تو مجھے کیا دو گی؟ راج کماری بولی کہ میں سدا تیری داسی رہوں گی۔ یہ سن کر وہ گٹکا اپنے منہ سے نکال پھر سے مرد بن گیا۔ راج کماری اسے دیکھ کر شرمائی پھر اس برہمن زادے نے گندھرب بیاہ کی ریت سے اس کے ساتھ اپنا بیاہ کیا۔ اور ہمیشہ اسی طرح رات کو مرد بن جاتا اور صبح کو بہو بنا رہتا۔ بس چھ مہینے بعد راج کماری کو حمل ہو گیا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ راجہ اپنے سارے خاندان کو ساتھ لے کر دیوان کے گھر شادی پر گیا تو وہاں منتری کے بیٹے نے برہمن کی بہو کو دیکھا تو اس پر عاشق ہو گیا اور اپنے دوست سے کہنے لگا۔ کہ اگر یہ عورت مجھے نہ ملی تو میں مر جاؤں گا۔

اس عرصے میں راجہ دعوت کھا، اپنے کنبے سمیت اپنے گھر آ گیا۔ منتری کے لڑکے کی حالت پریم میں ابتر ہونے لگی اور اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ یہ حالت اپنے بیٹے کی دیکھ کے منتری نے جا کر راجہ سے عرض کی کہ مہاراج! اس برہمن کی بہو کے واسطے میرے بیٹے کی حالت بہت خراب ہے۔ کھانا پینا چھوڑ دیا ہے۔ جو آپ کرپا کریں اور برہمن کی بہو کو میرے بچے کے حوالے کر دیں تو اس کی جان بچے۔ یہ سن کر راجہ نے غصہ کیا اور بولا۔ ارے احمق! ایسی بے انصافی کیا راجاؤں کا دھرم نہیں ہے۔ سن! برہمن کی بہو میرے پاس اس کی امانت ہے۔ میں اسے کیوں کر تمہارے حوالے کر سکتا ہوں۔ یہ سن کر منتری ناامید ہو کر اپنے گھر آ گیا۔ پھر اپنے بچے کی حالت خراب ہوتی دیکھ کر اس نے بھی پانی پینا چھوڑ دیا۔ جب کہ تین دن منتری کو کھانے پینے کے بنا گذرے تب تو سارے درباریوں نے اکٹھے ہو کر راجہ سے عرض کی۔

مہاراج! منتری کے بچے کی حالت اب بہت خراب ہو رہی ہے وہ بستر مرگ پر پڑا ہے اور اس کے مر جانے سے منتری بھی نہیں بچے گا۔ اور منتری کے مر جانے سے راج کاج نہ چلے گا۔ بہتر یہ ہے کہ ہم جو عرض کریں اسے قبول کرو۔

یہ سن کر راجہ نے حکم دیا کہ کہو کیا کہتے ہو۔ تب ان میں سے ایک شخص بولا۔

مہاراج! اس بڈھے برہمن کو گئے ہوئے کتنے ہی دن بیت گئے ہیں۔ وہ واپس نہیں آیا۔ بھگوان جانے مر گیا ہے یا زندہ ہے؟ اس لئے مناسب یہ ہے کہ اس برہمن کی بہو کو اپنے منتری کے بیٹے کے حوالے کر کے اپنے راج کاج کو تباہی سے بچائیے اگر وہ برہمن آ گیا تو اسے گاؤں اور دھن دے دیں اگر پھر بھی وہ راضی نہ ہوا تو اس کے لڑکے کا بیاہ کسی اچھی جگہ کرا دیں۔

یہ بات سن اس برہمن کی بہو کو بلا کر کہا تو میرے منتری کے پتر کے گھر جا۔ وہ بولی کہ استری کا دھرم نشٹ ہوتا ہے۔ مدتی روپ پا کر برہمن کا روپ جاتا ہے راجہ کی سیوا کرنے سے اور گائے خراب ہوتی ہے دور کی چرائی سے اور دھن جاتا ہے۔ دھرم پینے سے۔ اتنا کہہ پھر بولی کہ اے مہاراج! تم جو مجھے منتری کے لڑکے کو دیتے ہو سو اس سے یہ بات ٹھہرا دیں کہ جو کچھ اس سے میں کہوں سو وہ کرے، تب اس کے گھر جاؤں گی۔ راجہ نے پوچھا کہ وہ کیا کرے؟ اس نے کہا مہاراج! میں برہمنی اور وہ کشتری اس سے بہتر یہ ہے کہ پہلے وہ تیرتھ یاترا کر آوے، تب میں اس کے ساتھ گھر بساؤں گی۔

یہ بات سن کے راجہ نے منتری کے بیٹے کو بلا کر کہا پہلے تو تیرتھ یاترا کر آ، تب اس برہمنی کو تجھے دلویں گے۔ راجہ کی یہ بات سن دیوان کے بیٹے نے کہا۔ مہاراج! وہ میرے گھر جا بیٹھے تو میں تیرتھ کو جاؤں۔ یہ بات سن راجہ نے اس برہمنی کو کہا کہ تم پہلے اس کے گھر جا کے رہو تو وہ پھر تیرتھ یاترا کو جائے۔ لاچار ہو۔ راجہ کے کہنے سے وہ برہمنی اس کے گھر جا رہی تب پردھان کے پتر نے اپنی ناری سے کہا ہم دونوں نہایت پیار اخلاص سے ایک دوسرے کے ساتھ رہنا اور آپس میں کسی طرح کا جھگڑا نہ کرنا اور پرائے گھر کبھی نہ جانا۔ اتنی سیکھ دے وہ تیرتھ یاترا کو گیا۔ ادھر اس کی بہو سوبھاگیہ سندری نام تھا جس کا برہمنی کی بہو کو ساتھ لے کر ایک بچھونے پر رات کو لیٹی ہوئی ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔ کتنی دیر کے بعد اس دیوان کے پتر کی بہو نے یہ بات کہی۔ اے سکھی۔ اس وقت تو میں عشق سے جل جاتی ہوں، پر مطلب میرا کسی طور سے حاصل ہو۔ وہ دوسری بولی کہ اگر میں تیرے مطلب کو بر لاؤں تو مجھے کیا دے؟ وہ بولی سدا تیرے آگے ہاتھ جوڑے تیرے ہر حکم کی تعمیل کرتی رہوں۔ تب اس نے اپنے منہ سے گٹکے کو نکالا اور مرد بن گیا ہمیشہ اسی طرح رات کو مرد بنتا اور دن کو عورت۔ سو ان دونوں کے درمیان خوب پیار محبت بڑھا۔

غرض اسی طرح سے چھ مہینے بیتے اور منتری کا پتر آن پہنچا۔ ادھر لوگ اس کے آنے کی خبر سن منگلاچار کرنے لگے۔ ادھر برہمن کی بہو نے گٹکا منہ سے نکال۔ مرد بن کھڑکی میں سے نکل کر اپنی راہ لی۔ پھر سفر کرتے کرتے برہمن زادہ مول دیو کے پاس پہنچا کہ جس نے مول دیا تھا اور اس سے اپنی ساری کہانی شروع سے لیکر اخیر تک۔ بیان کر دی۔ مول دیو نے سارا حال سن کر گٹکا اس سے لے لیا اور اپنے ساتھی ششی برہمن کو دیا اور دونوں نے گٹکے اپنے اپنے منہ میں رکھے ایک بڈھا بن گیا اور دوسرا بیس برس کا۔ پھر وہ دونوں راجہ کے ہاں گئے راجہ نے دیکھتے ہی تعظیم کی اور دونوں کو بیٹھنے کے لیے چوکی دی۔ انہوں نے دعا دی۔ راجہ نے خیر و عافیت پوچھ مول دیو سے کہا کہ اتنے دن کہاں رہے؟ برہمن بولا۔ مہاراج! اسی پتر کو ڈھونڈنے گیا تھا۔ سو اسے کھوج کر آپ کے پاس لایا ہوں۔ اب اس کی بہو کو دو تو اپنے ساتھ لیکر گھر جاؤں۔

تب راجہ نے برہمن کے آگے وہ سب تفصیل بیان کر دی۔ تب برہمن نے خفا ہو کر راجہ سے کہا۔ یہ کون سا بیوپار ہے کہ تم نے میرے بیٹے کی بہو کسی اور کو دے دی۔ اچھا جو تم نے چاہا سو کیا پر اب میری بد دعا لو۔ راجہ بولا۔ ہے دیوتا! تم غصہ مت کرو۔ جو تم کہو سو میں کروں۔ برہمن نے کہا اچھا جو تو میری بد دعا سے ڈر کر میرا کہا کرتا ہے تو تو اپنی پتری میرے بیٹے سے بیاہ دے۔ یہ سن راجہ نے ایک جیوتشی کو بلا شبھ دن لگن کا مہورت ٹھہرایا اور اپنی بیٹی اس برہمن کے بیٹے سے بیاہ دی۔ برہمن راج کماری کو بیاہ کر دھن جہیز اپنے ساتھ لے گاؤں کو آیا۔ یہ خبر سن وہ برہمن زادہ منسوی بھی وہاں آیا اور جھگڑنے لگا کہ میری استری مجھے دے دے۔ ششی برہمن بولا کہ میں دس آدمیوں میں بیاہ کر لایا ہوں۔ یہ بیوی میری ہے منسوی نے کہا کہ اسے تو میرا حمل ہے یہ تیری بیوی کس طرح سے ہوئی۔ آپس میں دونوں جھگڑا کرنے لگے۔ مول دیو نے ان دونوں کو بہت سمجھایا۔ لیکن کسی نے اس کا کہا نہ مانا۔ اتنی کہانی کہہ کر بیتال نے پوچھا۔ اے راجہ بکرماجیت! کہو وہ عورت کس کی ہوئی؟ راجہ نے کہا وہ استری ششی برہمن کی ہوئی۔ تب بیتال بولا حمل دوسرے برہمن کا تھا پھر وہ ششی کی کیوں کر ہوئی؟ راجہ نے کہا اگر حمل ہوتا تو کس کو معلوم نہ ہوتا۔ یہ بات سن بیتال پھر درخت پر جا کر لٹک

گیا۔ راجہ نے اسے اتار کر کاندھے پر رکھا اور آگے چل دیا۔

ہماچل پربت کی کہانی

بیتال بولا اے راجہ! ہماچل نام ایک پہاڑ ہے وہاں گندھروں کا ایک شہر ہے۔ وہاں ایک راجہ جیکیتو راج کرتا تھا۔ اس کے ہاں لڑکا کوئی نہیں تھا اس نے برکش دیوتا کی پوجا کی۔ برکش نے خوش ہو کر اسے کہا۔ کہ اس کے ہاں جلد ایک لڑکا پیدا ہوگا کتنے دنوں بعد راجہ کے ہاں ایک چاند سا لڑکا پیدا ہوا۔ لڑکا بڑا ہوا تو راجہ نے بڑی دھوم دھام سے اس کی شادی کی۔ لڑکے کا نام کرن رکھا گیا تھا جب وہ بارہ سال کا ہوا تب شو کی پوجا کرنے لگا۔ اور سب شاستر پڑھ کے بڑا ہی گیانی، بہادر، مہاتما اور عالم ہوا۔ اس کے برابر کوئی نہ تھا جب وہ پورا جوان ہوا۔ تو اس نے بھی برکش دیوتا کی بہت خدمت کی تب برکش نے خوش ہو کر اس سے کہا جس بات کی تجھے خواہش ہو وہ مجھ سے بیان کر میں تمہیں دوں گا۔ پھر کرن بولا جو تم مجھ سے خوش ہوئے ہو تو میری سب رعایا کا دکھ دور کر دو اور جتنے لوگ میرے راج میں ہیں سب مال و دولت میں برابر ہوں۔ برکش نے ایسا ہی کیا اور رعیت کے سارے لوگ دھن میں برابر ہو گئے۔ اب کوئی کسی کا حکم نہ مانتا تھا اور کوئی کسی کا کام نہ کرتا تھا جب اس ملک کے حالات ایسے ہو گئے تو اس راج کے بڑے لوگ آپس میں سوچ بچار کرنے لگے کہ یہ راجہ اور اس کا بیٹا تو دونوں دھرم کے ہو گئے اور لوگ ان کا حکم نہیں مانتے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ ان دونوں کو پکڑ کے قید کریں اور راج گدی چھین لیں۔

راجہ ان کی طرف سے غافل رہا۔ درباریوں نے فوج کی چڑھائی کی اور راجہ کے مندر کو جا کر گھیر لیا۔ راجہ کو خبر لگی تو اس نے اپنے بیٹے سے کہا۔ اب کیا کریں؟ راج کمار بولا۔ مہاراج! آپ یہاں بیٹھے رہیں میں آپ کے دھرم سے ابھی جا کر ان کو مار لیتا ہوں۔ اس پر راجہ نے کہا۔

"بیٹا! یہ جسم فانی ہے۔ اور دھن دولت ناپائیدار ہے جب آدمی پیدا ہوا تو مرنا بھی ضرور ہے۔ اس لئے اب راج چھوڑ دھرم کا کام کرنا چاہیئے ایسے جسم اور ایسے راج کے لئے مہاپاپ کرنا اچھا نہیں۔

یہ سن کے اس کے بیٹے نے کہا مہاراج! راج اپنا گوتوں کو دیجئے اور چل کر عبادت کیجئے یہ بات ٹھہرا۔ بھائی بھانجوں اور بھتیجوں کو راج دے دونوں باپ بیٹے ونڈھیا چل پہاڑ کے اوپر گئے اور وہاں جا ایک کٹیا بنا کر رہنے لگے۔

وہاں کرن کی ایک رشی کے بیٹے سے دوستی ہو گئی۔ ایک روز پہاڑ پر راجہ کا بیٹا اور رشی کا بیٹا سیر کے واسطے گئے۔ وہاں ایک بھوانی کا مندر نظر آیا اس مندر میں ایک راج کماری بین لئے ہوئے دیوی کے آگے گا رہی تھی اس راج کماری اور کرن کی آنکھیں چار ہوئیں اور دونوں کو آپس میں محبت ہو گئی دونوں نے ایک دوسرے سے کوئی بات نہ کی۔ راج کماری اپنے گھر چلی گئی اور کرن اپنی کٹیا میں آ گیا۔ وہ رات ان دونوں نے بڑی بے چینی سے کاٹی۔ صبح ہوئی تو راج کماری پھر مندر میں آئی۔ کرن بھی وہاں جا پہنچا اور اس کی ایک سکھی سے پوچھا۔ کہ یہ لڑکی کون ہے؟ اس نے کہا کہ یہ راجہ ملیکیتو کی بیٹی ہے اور ملیاوتی اس کا نام ہے اور ابھی کماری ہے اس کے بعد سکھی نے کرن سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ یہ بولا میں راجہ جیکیتو کا بیٹا ہوں، اور راج پاٹ کے ختم ہونے سے ہم دونوں باپ بیٹا اس کٹیا میں آ کر رہ رہے ہیں پھر سکھی نے یہ ساری باتیں سن کر راج کماری سے کہہ دیں۔ یہ سن کر راجکماری کے دل کو دکھ ہوا۔ اور وہ رات کو سو رہی سکھی نے راج کماری کا حال اس کی ماں سے کہا۔ رانی نے راجہ سے کہا کہ لڑکی بیاہنے جوگی ہو گئی ہے اس کا بر تلاش کرو۔ یہ سن راجہ نے اسی سمے اپنے لڑکے متر واسو کو بلا کر کہا بیٹا! اپنی بہن کا بر ڈھونڈ لاؤ۔ بیٹے نے کہا۔ مہاراج! سنا ہے کہ گندھروں کا راجہ اپنے بیٹے کے ساتھ اس پربت پر رہتا ہے۔ یہ سن کر راجہ نے کہا کہ میں اپنی پتری اسی کو دوں گا۔ پھر اس نے اپنے بیٹے کو حکم دیا۔ کہ جا کر راج کمار کرن کو بلا لائے۔ راجہ کا حکم پا کر بیٹا ان کے مکان پر گیا اور راجہ جیکیتو سے کہا کہ اپنا بیٹا میرے ساتھ کر دو۔ ہمارے پتا نے کنیادان دینے کو بلایا ہے یہ سن کر راجہ جیکیتو نے اپنے بیٹے کو ساتھ کر دیا پھر ان دونوں کا بیاہ ہو گیا۔

جب ان کی شادی ہو گئی تو دلہن کو اور متر واسو کو لے کر اپنے گھر آ گیا۔ راجہ کے ہاں جا کر تعظیم کی اور اس کی دعا لی۔ اگلے روز وہ پہاڑ کی سیر کو گئے تو کرن کیا دیکھتا ہے ایک سفید ڈھیر اونچا سا ہے۔ تب اس نے اپنے سالے سے پوچھا کہ بھائی یہ سفید ڈھیر کس شے کا ہے؟ اس نے کہا کہ پاتال نگر سے کروڑوں ناگ کنارہ یہاں آتے ہیں۔ ان کو وشنو کا پرندہ گرڑ آن کر کھاتا ہے یہ ان ہی کی ہڈیوں کا ڈھیر ہے۔ یہ سن کر کرن نے کہا۔ بھائی! تم جا کر گھر کھانا کھاؤ۔ میں ابھی پوجا کر کے آتا ہوں۔ کیونکہ یہ میرا پوجا کرنے کا وقت ہے۔ سالا چلا گیا کرن آگے بڑھا تو ایک جگہ سے رونے کی آواز سنائی دی۔ اس آواز کی دھن پر چلا تو وہاں جا کر کیا دیکھتا ہے کہ ایک عورت دکھ سے بے چین ہو کر رو رہی ہے۔ اس کے پاس جا کر پوچھا کہ اے ماتا! تو کس کارن روتی ہے؟ اس عورت نے کہا۔

"سنکھ چوڑ نام ناگ میرا بیٹا ہے۔ آج اس کی باری ہے ابھی وشنو کا پرندہ گرڑ آئے گا اور اسے کھا جائے گا۔ پس میں اپنے بیٹے کی موت کے واسطے روتی ہوں۔"

اس پر کرن نے کہا۔

"اے ماتا! مت رو۔ تیرے بیٹے کے بدلے میں اپنی جان دوں گا۔"

عورت نے کہا کہ نہ بیٹا تو ایسا نہ کر۔ تو بھی تو میرا سنکھ چوڑ ہے۔ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ وہاں سنکھ چوڑ آن پہنچا۔ اس نے سن کر کہا۔

"ہے مہاراج! میرے ایسے تو بہت پیدا ہوں گے۔ پر آپ ایسے دھرم آتما بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے آپ میرے عوض اپنے آپ کو قربان نہ کریں۔ کیونکہ آپ کے زندہ رہنے سے لاکھوں آدمیوں کا بھلا ہوگا۔ ہمارا جینا اور مرنا ایک برابر ہے۔"

اس پر کرن راجکمار نے کہا۔ کہ یہ سچے انسانوں کا دھرم نہیں ہے کہ جو منہ سے کہیں وہ کر کے نہ دکھائیں اور یہ کہ اس سے پیچھے ہٹ جائیں۔ تو جہاں سے آیا ہے وہیں کو جا اور مجھے اپنے کہے پر عمل کرنے دے۔ یہ سن کر سنکھ چوڑ تو وہیں دیوی کے درشن کو گیا اور آکاش سے پرندہ گرڑ اترا۔ راجکمار نے دیکھا کہ اس پرندے کے پاؤں چار چار بانس برابر ہیں اور ناریل کے درخت سی لمبی چونچ ہے پہاڑ کے برابر پیٹ ہے۔ پھاٹک کی مانند آنکھیں ہیں اور کالی گھٹا سے پر ہیں ایکا ایکی چونچ کھول وہ راج کمار پر دوڑا۔ پہلے تو راج کمار نے اپنے آپ کو بچایا۔ پر دوسری باری وہ راج کمار کو چونچ میں لے کر اڑ گیا۔ اور چکر لگانے لگا اتنے میں ایک بازو بند کہ اس کے نگ پر راجہ کا نام کھدا تھا کھل کر راج کماری کے اوپر گرا۔ وہ اس کو دیکھ غش کھا کر گر پڑی۔ جب ایک گھڑی کے بعد ہوش آیا۔ تو اس نے سب کو بتا دیا یہ سن کر اس کے ماں باپ آئے اور رونے پیٹنے لگے۔ آدمی ادھر ادھر کو دوڑائے گئے کہ راستے میں انہیں سنکھ چوڑ ملا۔ وہ اکیلا وہاں گیا جہاں اس نے راجکمار کو دیکھا تھا اور پکار پکار کر کہنے لگا۔ کہ اے گرڑ! راج کمار کو چھوڑ دے۔ یہ تیرا شکار نہیں ہے۔ سنکھ چوڑ میرا نام ہے میں تیرا شکار ہوں۔ یہ سن کر گرڑ جھک کر اترا یہ سوچا کہ میں برہمن یا کشتری کو کھا گیا۔ پھر اس نے راج کمار سے کہا۔ سچ بتا کہ کس لئے اپنی جان دیتا ہے؟ راج کمار کرن نے کہا۔

"سن! درخت چھایا کرتے ہیں دوسروں کے اوپر اور خود دھوپ میں بیٹھے جلتے بھنتے ہیں۔ اچھے انسانوں اور اچھے درختوں کا یہی دھرم ہے جو یہ جسم دوسروں کے کام نہ آوے تو پھر اس جسم سے کیا حاصل؟ مثل مشہور ہے کہ جوں جوں چندن کو گھستے ہیں تیوں تیوں وہ اچھی خوشبو دیتا ہے۔ جیوں جیوں سونے کو جلاتے ہیں وہ

پہلے سے زیادہ خوب صورت ہوتا جاتا ہے۔ سو عظیم انسان جو ہوتے ہیں وہ جان دے دیتے ہیں مگر اپنی خصلت اور کردار میں فرق نہیں آنے دیتے انہیں کسی نے برا کہا تو کیا اور بھلا کہا تو کیا؟ دولت رہی تو کیا؟ نہ رہی تو کیا؟ ابھی مرے تو کیا، بعد مدت کے مرے تو کیا، جو لوگ عدل اور انصاف کی راہ پر چلتے ہیں چاہے کچھ ہو جائے وہ دوسری راہ پر کبھی قدم نہیں رکھتے۔ غرض جس جسم سے دوسروں کو فائدہ نہ پہنچے اس کا زندہ رہنا بے سود ہے یوں تو جانور اور کتے بلیاں بھی اپنے جسم اور زندگی کو پالتی ہیں۔ جو برہمن گورو، دوست اور بیوی کی خاطر جان دیتے ہیں وہ سدا بہشت میں رہتے ہیں۔

اس پر جانور گرڑ بولا۔ دنیا میں سبھی اپنی جان کی حفاظت کرتے ہیں اور اپنی جان قربان کر کے دوسروں کی جان بچانے والے تو دنیا میں کم یاب ہی ہیں۔ میں تمہارے اس جذبے سے بے حد خوش ہوا ہوں۔ اس لئے مانگو مجھ سے کیا مانگتے ہو۔ راجکمار کرن نے کہا۔ اے گرڑ! اگر تم مجھ پر خوش ہوئے ہو تو آج سے ناگوں کا کھانا بند کر دو اور جو کھائے ہیں ان کو زندہ کر دو۔

یہ سن کر گرڑ نے پاتال سے امرت لا کر ناگوں کی ہڈیوں پر چھڑکا اور وہ پھر سے زندہ ہو گئے۔ گرڑ نے کہا کہ میری دعا سے تمہیں کھویا ہوا راج بھی ملے گا۔ پس وہ اپنے سسر، استری اور ساس سمیت باپ کے پاس آیا۔ جب یہ حال سنا۔ تو اس کے چچا اور چچیرے بھائی، بلکہ سارے خاندان کے لوگ اس سے ملنے آئے۔ اور پاؤں پڑ ان کو لے جا کر راج گدی پر بٹھایا۔ اتنی کہانی بیان کر کے بیتال نے پوچھا اے راجہ! ان میں سے سچ کا حق کس کا ہے؟ راجہ بکرماجیت بولا شنکھ چوڑ کا۔ بیتال نے کہا کس طرح! راجہ نے کہا۔ گیا ہوا شنکھ چوڑ پھر سے جو دینے کو آیا۔ گرڑ کے کھانے سے اسے بچایا۔ بیتال بولا کہ جس نے پرائے کے لئے اپنی جان دی اس کا حق کیوں نہ ہوا! راجہ نے کہا راجکمار ذات کا کھشتری ہے۔ اسے جان دینے کی مشق ہے اسے جان دینے میں کوئی مشکل نہ تھی۔ یہ سن بیتال پھر درخت پر جا لٹکا اور راجہ وہاں جا، اسے باندھ، کاندھے پر رکھ لے چلا۔

گناہ گار عورت کی کہانی

بیتال بولا۔ اے راجہ بکرماجیت! چندر شیکھر نام ایک نگر ہے وہاں رتن دت نام کا ایک سیٹھ رہتا تھا اس کی ایک بیٹی تھی جس کا نام انمادنی تھا جب وہ جوان ہوئی۔ تو اس کے باپ نے وہاں کے راجہ سے جا کر کہا۔ اے مہاراج! میرے گھر میں ایک لڑکی ہے جو آپ کو اس کی چاہ ہے تو اسے لے لیجئے۔ نہیں تو میں اور کسی کو دوں۔ یہ سن راجہ نے دو تین پراچین داسوں کو بلایا اور کہا۔ اس سیٹھ کی بیٹی کے لکشن دیکھ کر بتاؤ۔ وہ راجہ کے حکم سے سیٹھ کے گھر گئے اور لڑکی کا حسن دیکھ سبھی ششدر ہو گئے حسن ایسا گویا اندھیرے میں گھر کا اجالا۔ آنکھیں ہرن کی سی، چوٹی ناگن کی سی، بھنویں کمان کی سی، دانت موتی کے سے، کمر چیتے کی سی، ہاتھ پاؤں کومل کنول پھول ایسے۔ چندر مکھی، چمپا برنی، ہنس گونی اور کوکل بینی۔ جس کے روپ کو دیکھ اندر کی اپسرا بھی جائے اس پرکار کی سندری سب سو لکشن بھری دیکھ انہوں نے آپس میں بچار کیا کہ ایسی عورت راجہ کے گھر میں جائے گی تو راجہ اس کا غلام ہو کر رہ جائے گا۔ اور راج کاج کی فکر کچھ نہ کرے گا۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ راجہ سے جا کر کہتے ہیں کہ اس کے طور طریقے اچھے نہیں ہیں۔ وہ آپ کے لائق نہیں ہے۔

یہ فیصلہ کر کے وہ لوگ وہاں سے راجہ کے پاس آئے اور یہ عرض کی کہ مہاراج! ہم اس لڑکی کو دیکھ کر آ رہے ہیں وہ آپ کے لائق نہیں ہے۔ یہ سن کر راجہ نے سیٹھ سے کہا کہ میں تیری لڑکی سے بیاہ نہ کروں گا۔ پھر سیٹھ نے آ کر گھر میں یہ کام کیا کہ راجہ کے سیناپتی بلبھدر سے اپنی لڑکی کا بیاہ کر دیا۔ وہ اس کے گھر میں رہنے لگی۔ ایک دن کا ذکر ہے راجہ کی سواری اس راہ سے نکلی۔ وہ بھی اس وقت سنگار کیئے کوٹھے پر کھڑی تھی۔ اتفاق سے راجہ کی آنکھیں اس سے چار ہو گئیں۔ راجہ اس کے حسن سے بے حد متاثر ہوا۔ وہ بے قرار ہو کر وہاں سے اپنے محل میں آیا۔ راجے کا چہرہ دیکھ کر دربان بولا مہاراج! آج آپ پریشان کیوں ہیں؟ راجہ نے کہا۔

"آج میں نے ایک کوٹھے پر ایک سندری دیکھی معلوم نہیں وہ آکاش کی اپسرا تھی۔ کہ کوئی حور تھی یا پری تھی۔ بس اس کے حسن نے میرے دل پہ جادو کر دیا ہے اس لئے بے کل ہوں"

یہ سن کے دربان نے کہا۔ کہ مہاراج! وہ اسی سیٹھ کی لڑکی ہے جسے سیناپتی بلبھدر بیاہ کر لایا ہے۔ راجہ نے کہا میں نے جن لوگوں کو اس کے لکشن دیکھنے بھیجا تھا انہوں نے مجھ سے دھوکہ کیا۔ یہ کہہ کر راجہ نے چوبدار کو فرمایا۔ انہیں جلدی لے کر آؤ۔ راجہ کے حکم کے مطابق ان لوگوں کو حاضر کیا گیا۔ راجہ نے ان کو کہا۔

"میں نے جس لئے تمہیں بھیجا تھا تم نے وہ کام پورا نہ کیا بلکہ اپنے دل سے ایک عیب بنا کر مجھے بیان کر دی اور یوں مجھ سے دھوکہ کیا۔ اور آج میں نے اپنی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ وہ تو بے حد خوب صورت ہے ایسی گن پوری حسین عورت تو ملنی مشکل ہے۔"

یہ سن کر انہوں نے کہا۔ مہاراج! جو آپ فرماتے ہیں سو سچ ہے۔ پر ہم نے اسے کل کشنی کہہ کر حضور کے سامنے اس لئے عرض کیا تھا اس کے گھر آتے ہی آپ راج کاج بھنگ کر دیں گے۔ اس لئے ہم نے ایسا کیا کہ آپ کا راج بھنگ نہ ہو۔ یہ سن کر راجہ نے کہا تم سچ کہتے ہو۔ پر اس کی یاد میں راجہ کو ہر وقت اب بے چینی رہنے لگی۔ سارے دربار والوں پر راجہ کی بے چینی ظاہر تھی کہ اتنے میں بلبھدر بھی وہاں آ گیا۔ اس نے ہاتھ جوڑ راجہ کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کی ہے پرتھوی ناتھ! میں آپ کا داس اور وہ آپ کی داسی۔ ہمارے ہوتے آپ اتنی تکلیف اٹھائیں۔ اس لئے مہاراج حکم کریں کہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو۔ یہ بات سن کر راجہ غصے سے بولا۔ پرائی استری کے پاس جانا گناہ ہے کیا میں بنا دھرم کے ہوں کہ ایسا پاپ کروں؟

"پرائی استری ماتا کے برابر ہے اور دوسروں کا مال مٹی کے برابر ہے۔ سنو بھائی! جیسا اپنا جی آدمی سمجھے ویسے ہی دوسرے کا سمجھے۔"

پھر سیناپتی بولا۔ وہ میری داسی ہے جب میں نے اسے آپ کو دیا تو وہ پھر بیگانی کیوں کر ہوئی؟ راجہ نے کہا جس کام کے کرنے سے میں جگ میں بدنام ہوں گا وہ کام میں نہ کروں گا۔ پھر سیناپتی نے کہا کہ مہاراج! میں اسے اپنے گھر سے نکال دوسری جگہ رکھ بے سوا کر آپ کے پاس لاؤں گا۔ پھر راجہ نے کہا کہ اگر تو ستی ناری کو بے سوا کرے گا تو میں تم سے بدلہ لوں گا یہ کہہ کر راجہ اس عورت کی یاد میں گھل گھل کر دس دن میں مر گیا۔ پھر بلبھدر سیناپتی نے اپنے گورو سے جا کر پوچھا کہ میرا مالک راجہ میری بیوی انمادنی کے کارن مر گیا۔ اب بتائیے کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ گورو نے کہا خدمت کرنے والے کا دھرم یہی ہے کہ اپنے مالک کے پیچھے اپنی جان دے۔ یہ سن کر سیناپتی وہاں گیا جہاں راجہ کا تن جلانے کے لئے لے گئے تھے۔ جتنی دیر میں راجہ کی چتا تیار ہوئی جب چتا کو آگ دکھائی گئی، تو اس نے سورج کے آگے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ اے سورج دیوتا! میں یہی دعا مانگتا ہوں کہ جنم جنم اس سوامی کے پاؤں اور تیرا گن گاؤں۔ یہ کہہ کر تعظیم کر، آگ میں کود پڑا۔

یہ خبر سن انمادنی اپنے گورو کے پاس گئی۔ اس سے سارا ماجرا بیان کر کے کہا کہ مہاراج استری کا دھرم کیا ہے؟ گورو نے کہا۔

"جس ماتا پتا نے اپنی لڑکی کو جنم دیا ان کی خدمت کرنے سے وہ بہشت میں جاتی ہے دھرم شاستر میں لکھا ہے کہ جو ناری اپنے خاوند کے جیتے تپ برت کرتی ہے وہ اپنے خاوند کی عمر کم کرتی ہے اور آخر کار دوزخ میں جاتی ہے پر بہتر یہ ہے کہ جیسا ہی سوامی کیوں نہ ہو اس کی خدمت کرنے سے اس کی نجات ہوتی ہے۔"

یہ سن کر انمادنی گھر کو واپس آئی۔ سارا دھن برہمنوں کو دیا۔ چتا کے پاس جا کر بولی۔ اے ناتھ!

میں جنم جنم تیری داسی ہوں اور آگ میں کود کر جل کر ستی ہو گئی۔ اتنی کتھا کہہ بیتال بولا۔ کہ اے راجا ان تینوں میں سے کس کا پیچ بہتر ہے۔ اس کے جواب میں راجا بکرماجیت نے جو جواب دیا وہ جواب سن بیتال پھر سے درخت پر جا کر لٹک گیا۔ اس پر راجہ نے اسے اتار کر کاندھے پر رکھا اور لے کر آگے چل دیا۔

قصہ برہمن اور راجہ کا

بیتال بولا اے راجہ! اجین نگری کا مہاسین نام راجہ تھا اور وہاں کا ایک باسی دیو شرما برہمن تھا۔ اس کے بیٹے کا نام گنا کر تھا وہ بڑا اوباش اور جواری تھا۔ یہاں تک کہ جو کچھ اس کے باپ کا دھن تھا سارے کا سارا اس نے جوئے میں ہار دیا۔ تب سارے کنبے کے لوگوں نے گنا کر کو گھر سے نکال دیا۔ گنا کر وہاں سے چل پڑا۔ کچھ دنوں بعد وہ ایک شہر میں پہنچا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک سادھو دھونی رمائے بیٹھا ہے۔ اسے تعظیم کر کے وہ بھی اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ جوگی نے اس سے پوچھا۔ تو کچھ کھائے گا؟ گنا کر نے کہا مہاراج تم کچھ دو گے تو کیوں نہ کھاؤں گا۔ جوگی نے ایک آدمی کی کھوپری میں کھانا بھر کر اسے دیا۔ گنا کر نے کہا۔ مہاراج! میں اس کھوپڑی میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ جب اس نے کھانا نہ کھایا تو جوگی نے ایسا منتر پڑھا کہ ایک لکشمی ہاتھ جوڑ کر آکر حاضر ہوئی۔ اور بولی۔ مہاراج جو حکم ہو سو کروں۔ جوگی نے کہا۔ اس برہمن کو اچھا سا کھانا دے۔ یہ سن کر لکشمی نے ایک اچھا سا مندر بنا اس میں سب سامان رکھ کے گنا کر اس کے اندر لے گئی۔ اسے چوکی پر بٹھایا۔ اور قسم قسم کے کھانے اس کے سامنے رکھ دیئے۔

گنا کر نے جی بھر کر کھایا۔ اس کے بعد پان اس کے منہ میں رکھا اور کیسر چندن گلاب میں گھس کر اس کے بدن پر لگایا پھر اجلے کپڑے خوشبو میں بسا کر اسے پہنائے۔ پھولوں کی مالا گلے میں ڈالی اور وہاں سے پلنگ پر لا بٹھایا۔ کہ اتنے میں شام ہو گئی۔ اور یہ بھی اپنی تیاری کر سیج پر جا بیٹھی۔ اور اس برہمن نے ساری رات سکھ چین سے کاٹی۔ جب صبح ہوئی تو وہ لکشمی واپس چلی گئی۔ برہمن نے جوگی کے پاس جا کر کہا۔ مہاراج! وہ تو چلی گئی اب میں کیا کروں۔ جوگی بولا۔ وہ علم کی طاقت سے آئی تھی اور جسے علم آتا ہے اس کے پاس رہتی ہے۔ برہمن نے کہا مہاراج یہ علم مجھے دو تو میں سادھوں۔ تب جوگی نے ایک منتر پڑھ کر اسے دیا اور کہا کہ یہ منتر چالیس دن دریا میں بیٹھ کر پڑھ۔

یوں برہمن دریا پر وہ منتر پڑھنے جایا کرتا۔ اسے کئی کئی طرح سے خوف آتے مگر وہ نہ ڈرا۔ جب چالیس دن پورے ہو گئے تو اس نے جوگی سے آکر کہا۔ مہاراج! دن پورے ہو گئے۔ جوگی نے کہا کہ اب اتنے ہی دن آگ میں بیٹھ کر پڑھ۔ اس نے کہا مہاراج ایک بار اپنے خاندان والوں سے مل آؤں۔ پھر آکر ریاضت کروں گا۔ یہ جوگی سے کہہ وہ اپنے گھر گیا۔ کنبے کے لوگوں نے اسے دیکھا تو گلے لگا لگا رونے لگے۔ اور اس کے باپ نے کہا۔ اے گنا کر اتنے دنوں تو کہاں تھا اور کس واسطے تو نے گھر کو چھوڑا۔

> "اے بیٹے! جو وفادار بیوی کو چھوڑ کر باہر رہتا ہے اور جو جوان ناری کو پیٹھ دکھاتا ہے اور جو جسے چاہتا ہے وہ اسے نہیں چاہتا۔ وہ شیطان کے برابر ہوتا ہے۔ اور سن گرہستی دھرم برابر کوئی دھرم نہیں۔ اور گھر والی کے برابر کوئی سنسار میں سکھ دینے والی نہیں۔ اور جو ماتا پتا کو برا کہتا ہے وہ شیطان ہوتا ہے اور ان کی نجات کبھی نہیں ہو گی۔ یہ برہما نے کہا ہے۔"

تب گنا کر بولا۔

> اے پتا! یہ بدن خون اور گوشت کا بنا ہوا ہے۔ سو اسے آخر کیڑے کھائیں گے حالت اس کی یہ ہے کہ اگر دو روز اس کو صاف نہ کیا جائے تو بدبو دینے لگتا ہے۔ جو ایسے بدن سے پیار کرتے ہیں سو مورکھ ہیں اور جو اس سے پیار نہیں کرتے وہ پنڈت گیانی ہیں۔ اور اس بدن کا یہی دھرم ہے کہ بار بار جنم لیتا ہے اور مٹ جاتا ہے۔ ایسے جسم کا کیا بھروسہ کیجیئے۔ اسے بھیترا کے صاف کیجیئے پر یہ پاک نہیں ہوتا۔ اور کوئلے کو چاہیئے جتنا دھوئیں پر وہ سفید نہیں ہوتا۔ اور جب بدن میں مل کے سوت سدا بہا کریں وہ کس طرح سے شدھ ہوں۔"

اتنا کہہ پھر بولا۔ کہ کس کی ماں؟ کس کا باپ؟ کس کی جورو؟ کس کا بھائی؟ اس سنسار کی یہی ریت ہے کہ کتنے آتے ہیں اور کتنے جاتے ہیں۔ جو یگیہ اور ہوم کے کرنے والے ہیں سو اگنی کو ایشور جانتے ہیں۔ جو عقل کے کم ہیں۔ وہ پرتیما کر بھگوان کو مانتے ہیں اور جوگی لوگ اپنے اندر ہی خدا کو دیکھ لیتے ہیں۔ ایسے گرہستی دھرم کو میں نہ کروں گا۔ اتنا کہہ اس نے گھر سے بدا لے۔ جوگی کے پاس آ، آگ میں بیٹھ منتر کی ریاضت شروع کر دی۔ پر لکشمی نہ آئی۔ تب وہ جوگی کے پاس گیا۔ اور جوگی نے اس سے کہا۔ بدیا تمہیں نہ آئی! برہمن بولا۔ ہاں مہاراج نہ آئی۔

اتنی کہانی بیان کر کے بیتال نے پوچھا۔ کہو راجہ! کس وجہ سے اسے بدیا یعنی علم نہ آیا؟ راجہ نے کہا کہ وہ سادھک دو چتا ہوا اس لئے بدیا نہ آئی۔ اور ایسے کہا ہے کہ ایک چت ہونے سے منتر کی ریاضت ہوتی ہے اور دل کا خیال دو جگہوں پہ بٹا ہوا ہو تو بدیا نہیں آتی اور جو خیرات نہیں کرتے ان کی ناموری نہیں ہوتی۔ اور جن کے پاس سچائی نہیں ہے انہیں شرم نہیں ہوتی جو انصاف سے عاری ہیں ان کے پاس لکشمی کبھی نہیں آتی۔ اور جو لوگ دھیان سے محروم ہیں انہیں بھگوان کبھی نہیں ملتا۔ بیتال نے کہا جو سادھک منتر سدھ کرنے کے لئے آگ میں بیٹھا وہ کس طرح دو چتا ہوا؟ راجہ نے کہا کہ منتر سادھنے کے وقت جب وہ اپنے ماں باپ سے ملنے گیا تو اسی وقت سادھو کو اس پر غصہ آیا اور دل میں کہا کہ ایسے آدمی کو میں نے بدیا کیوں سکھائی جس کا دل پیچھے لگا ہوا ہے۔ اس لئے برہمن کو علم حاصل نہ ہو سکا۔ اور شاستروں میں لکھا ہے کہ آدمی چاہیے کتنا ہی بڑا کام کرے کرم اس کے ساتھ لگا رہتا ہے اور چاہے جتنی کیوں نہ عقل سے کام لے۔ پر کرم کے لکھے کو وہ کبھی نہیں ٹال سکتا۔ یہ کہہ کر بیتال پھر درخت پر جا بیٹھا اور راجہ بھی اس کے پیچھے جا اسے باندھ کاندھے پر رکھ لے چلا۔

تین باپ کا بیٹا

بیتال بولا اے راجہ! کمبل پور ایک شہر ہے اس شہر میں ایک سیٹھ رہتا تھا جس کا نام دھنا کشی تھا اس سیٹھ کی بیٹی کا نام دھن وتی تھا باپ نے چھوٹی عمر میں ہی اس کی شادی گوردوت نام ایک بیٹے سے کر دی کتنے دنوں کے بعد اس عورت کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ نام اس کا موہن رکھا گیا جب لڑکی بڑی ہوئی تب اس کا باپ مر گیا اور اس بیٹے کے بھائی بندوں نے اس کا سب کچھ چھین کر اسے گھر سے نکال دیا بس وہ بے چاری دھن وتی لاچار ہو کر اپنی بیٹی کا ہاتھ تھام۔ اندھیری رات میں اس گھر سے باہر چلی۔ تھوڑی ایک دور گئی تھی کہ اپنے ماں باپ کے گھر کا راستہ بھول کر ایک مرگھٹ میں جا نکلی۔ وہاں جا کر کیا دیکھتی ہے کہ ایک چور سولی پر ٹنگا ہوا تھا۔ اچانک اس کا ہاتھ چور کے پاؤں میں جا لگا۔ چور سولی پر سے بولا کہ اس سمے مجھے کس نے دکھ دیا؟ تب یہ لڑکی بولی کہ میں نے جان بوجھ کر تجھے دکھ نہیں دیا۔ اس لئے میرا قصور معاف کر دے۔ سولی پر لٹکے ہوئے چور نے کہا۔

> "دکھ اور سکھ کوئی کسی کو نہیں دیتا۔ جیسا لکھنے والا قسمت میں لکھ دیتا ہے ویسا ہی انسان کو بھگتنا پڑتا ہے اور جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ کام میں نے کیا۔ تو وہ کور بے غافل اور جاہل ہیں۔ کیونکہ سارے انسان کرم کے دھاگے میں پروئے ہوئے ہیں۔ وہ جگہ جہاں جہاں چاہتا ہے انہیں کھینچ لیتے ہیں۔ بدھاتا کی بات کچھ سمجھی نہیں جاتی۔ کیونکہ انسان اپنے دل میں کچھ اور سوچ رہے ہوتے ہیں اور خدا کچھ اور کر دیتا ہے۔"

یہ سن دھن وتی بولی۔ اے پرش تو کون ہے؟ اس نے کہا۔ میں چور ہوں۔ تیسرا دن مجھ کو

سُولی پر ہوا ہے۔ اور جان نہیں نکل رہی۔ یہ بولی۔ کس کارن ایسا ہوا؟ چور نے کہا کہ میں بیاہ ہوں اگر تو اپنی کنیا مجھے بیاہ دے تو ایک کروڑ اشرفیاں دوں۔ مشہور ہے کہ پاپ کا مول لوبھ ہے بیاہ کا مول اس اور دُکھ کا مول محبت ہے جو ان تینوں کو چھوڑے سو سکھ سے رہے۔ پر یہ ہرگز نہیں چھوٹ نہیں سکتے انت کال لالچ کے مارے دھن وتی نے کیا دینے کی اچھا کی اور کہا میں یہ چاہتی ہوں کو میرے لڑکا ہو پر کس طرح سے ہوگا۔ اس نے کہا کہ جس وقت جوان ہوگی اس وقت میں ایک سندر برہمن کو بُلا کر پانچ سو مہر دوں گا یہ اس کے پاس رہے گی سو اس طرح سے اس کے بیٹا ہوگا۔ یہ سن کر دھن وتی نے لڑکی کو سولی کے گرد چار پھیرے دیئے اور شادی کر دی۔ تب چور نے کہا کہ پورب کی طرف ایک کنوئیں کے پاس بڑ کا درخت ہے اس کے نیچے ایک کروڑ کی اشرفیاں دبی ہوئی ہیں۔ تو جا کے لے۔ یہ کہہ کر اس کی جان نکل گئی۔ یہ ادھر کو چلی اور وہاں پہنچ کر تھوڑی اشرفیاں لے اپنے ماں باپ کے گھر کو چلی۔ وہاں ان کو اپنے ساتھ لے اپنے سوامی کے شہر میں آ۔ ایک حویلی بنا اس میں رہنے لگی۔ اور وہ لڑکی دن بدن بڑی ہونے لگی۔ جب وہ پوری جوان ہو گئی تو ایک دن اپنی سکھی کو ساتھ لے کوٹھے پر کھڑی تھی کہ ایک جوان برہمن اس راستے سے گذرا۔ یہ اسے دیکھ کر محبت کا شکار ہوئی اور سہیلی سے بولی۔ اے سہیلی! تو اس برہمن نوجوان کو میری ماں کے پاس لے آ۔ تب سہیلی برہمن کو اس کی ماں کے پاس لے آئی۔ دھن وتی بولی کہ اے برہمن میری بیٹی جوان ہے۔ جو تو اس کے پاس رہے گا تو میں بیٹے کے لئے تمہیں ایک سو اشرفیاں دوں گی۔ یہ سن کے برہمن نے کہا میں رہوں گا۔

یہ باتیں کرتے تھے کہ اتنے میں شام ہو گئی۔ اسے اچھا کھانا دیا گیا جب ایک پہر رات گذر گئی تو دھن وتی کی لڑکی اس کے پاس آ گئی۔ انہوں نے وہ رات ایک دوسرے کے ساتھ بسر کی۔ جب صبح ہوئی تو برہمن اپنے گھر کو گیا اور یہ اٹھ کے اپنی سہیلی کے پاس آئی۔ تب اس نے پوچھا۔ کہ کہو رات کو دوست کے ساتھ کیا کیا خوشیاں کیں؟ اس نے کہا کہ جس وقت میں اس کے پاس جا بیٹھی تھی۔ میرے جی میں ایک دھڑکا سا معلوم ہوا تھا جب کہ اس نے مسکرا کر میرا ہاتھ پکڑ لیا میں اس کے بس میں ہو گئی اور مجھے کچھ خبر نہ رہی کہ کیا ہوا۔ اور شاستروں میں لکھا ہے۔ کہ ایک مشہور، دوسرے بہادر، تیسرے چالاک، چوتھے سردار، پانچویں سخی، چھٹے گن وال، ساتویں استری دُکھ شکھ ہو۔ ایسے مرد کو اس جنم میں کیا، ندی اس جنم میں بھی نہیں فراموش کرتی۔

القصہ اس رات سے دھن وتی کی لڑکی کو حمل رہا جب کہ دن پورے ہو گئے تو ایک لڑکا پیدا ہوا۔ چھٹی کی رات کو اس کی ماں نے خواب میں دیکھا کہ ایک جوگی جس کے سر پہ جٹا ہے۔ ماتھے پر چاند، سفید جنیؤ پہنے، منڈمال گلے میں ڈالے، ایک ہاتھ میں کھپر، دوسرے میں ترسول لئے ہوئے خوفناک صورت بنائے اس کے پاس آ کر کہنے لگا کہ کل کو دسویں رات کے سمے ایک پٹارے میں ہزار مہر کا توڑا اور اس لڑکے کو بند کر کے راج دوار پر رکھ آ۔ یہ دیکھتے ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ اور صبح ہوتے اپنی ماں کے آگے اس نے جا کر خواب سنایا۔ یہ سن کر دوسرے دن اس طرح اس کی ماں پٹارے میں لڑکے کو بند کر راجہ کے دوارے پر جا کر رکھ آئی۔ ادھر راجہ نے خواب میں دیکھا کہ دس بھجا، پانچ سر، ایک ایک سر میں تین تین آنکھیں۔ اور ہر ایک سر پر ایک ایک چاند، دانت بڑے بڑے، ترسول ہاتھ میں لئے، ڈراؤنی صورت اس کے پاس آ کے بولا۔ کہ اے راجہ! تیرے دروازے پر ایک پٹارا رکھا ہے۔ اس میں ایک لڑکا ہے اسے تو لے۔ وہی تیرا راج قائم رکھے گا۔

یہ سنتے ہی راجہ کی آنکھ کھل گئی۔ تب اس نے رانی سے سارا حال کہا پھر وہاں سے اُٹھ دروازے پر آ۔ دیکھا کہ پٹارا دھرا ہے۔ جونہی پٹارے کو کھول کر دیکھا تو اس میں ایک لڑکا اور ایک ہزار اشرفی پڑی تھی۔ اس لڑکے کو اٹھا لایا پھر محل میں لے جا کر اسے رانی کی گود میں رکھ دیا۔ اتنے میں صبح ہوئی۔ راجہ نے باہر آ پنڈتوں اور جوتشیوں کو بُلا کر پوچھا کہ اس لڑکے کے لکشن میں کیا ہے؟ تب ان پنڈتوں میں سے ایک جو علم قیافہ جانتا تھا بولا۔ اے مہاراج اس لڑکے میں ہمیں لکشن تو صاف صاف نظر آتے ہیں چوڑی چھاتی۔ اونچا ماتھا، بڑا چہرہ۔ اس کے علاوہ بتیس لکشن پُرش کے جو کہے ہیں وہ اس میں سب ہیں۔ اس سے بے فکر رہیں۔ یہ راج کرے گا۔ یہ سن راجہ نے خوش ہو کر موتیوں کا ہار اس برہمن کو دیا اور سب برہمنوں کو بہت سی خیرات کر حکم کیا کہ اس لڑکے کا نام رکھو۔ تب پنڈتوں نے کہا۔ مہاراج! آپ منگلاچار کرائیں۔ راجہ نے دیوان کو حکم دیا کہ جو یہ برہمن کہتے ہیں ویسے کرو۔

دیوان نے لڑکے کے ہونے کی اسی وقت شہر میں ڈھنڈھی پھرا دی۔ یہ سن کے سب منگلا مکھی آن حاضر ہوئے اور گھر گھر سے بدھائی آنے لگی۔ راجہ کے محل میں خوشی کے باجے بجنے لگے اور منگلاچار ہوئے۔ پھر راجہ رانی گود میں لڑکے کو لئے چوک میں آ بیٹھے اور برہمن بید پڑھنے لگے۔ ان برہمنوں میں سے ایک نے شبھ گھڑی لگن مہورت بچار اس لڑکے کا نام ہردت رکھا۔ پھر وہ دن بدن بڑھنے لگا پھر وہ نو برس کی عمر میں چھ شاستروں اور چودہ علوم پڑھ کر پنڈت ہوا۔ اب بھگوان کا کرنا یہ ہوا کہ اس کے ماں باپ مر گئے۔ وہ راج گدی پہ بیٹھا اور راج کرنے لگا کئی ایک برس کے بعد ایک دن وہ راجہ اپنے دل میں فکر کرنے لگا کہ میں نے ماں باپ کے یہاں جنم لیکر ان کے ساتھ کیا کیا؟ مثل ہے کہ جو مہربان ہوتے ہیں۔ وہ سب پہ مہربانی کرتے ہیں۔ وہی عالم ہیں اور ان ہی کو بہشت ملتی ہے اور جن کا من شدھ نہیں، تن کا دان، تپ تیرتھ کرنا، شاستر سُننا، سب فضول ہے اور جو بد اعتقاد دکھاوے کے اعتقاد کا اظہار کرتے ہیں وہ اس جہان سے ناامید جاتے ہیں۔

یہ بات راجہ نے سمجھ بچار کیا کہ اب پتری کرم کیا چاہیے۔ پھر راجہ ہردت گیا شہر میں جا کر پھلگو ندی کے کنارے بیٹھ اپنے پتروں کے نام لئے۔ اس ندی میں سے تینوں کے ہاتھ نکلے۔ یہ دیکھ کر راجہ گھبرایا کہ میں کس کے ہاتھ میں دوں اور کس کے ہاتھ میں نہ دوں؟ اتنی کہانی کہہ کر بیتال بولا کہ اے راجہ بکرم! ان تینوں میں سے کسے پنڈ دینا درست تھا۔ تب راجہ نے کہا کہ چور کو۔ کس کارن؟ بیتال نے پوچھا۔ راجہ نے کہا۔ برہمن کا بیج تو مول لیا گیا اور راجہ نے ہزار اشرفی لے کر پالا۔ اس واسطے ان دونوں کو پنڈ کا ادھیکار نہ تھا۔ اتنی بات سن بیتال پھر درخت پر جا لٹکا اور راجہ اسے وہاں سے باندھ کر لے چلا۔

راجہ اور رشی کی لڑکی کی کہانی

اس کے بعد بیتال نے یوں اپنی کہانی کا آغاز کیا کہ اے راجہ! چترکوٹ نام ایک نگر ہے وہاں ایک راجہ رُوپ دت حکومت کرتا تھا ایک روز وہ شکار کو اکیلا روانہ ہوا۔ راستہ بھول کر وہ ایک گھنے جنگل میں جا پہنچا۔ وہاں جا کے کیا دیکھتا ہے کہ ایک بہت خوبصورت تالاب ہے جس کے اوپر کنول کے پھول کھلے ہیں، پرندے چہچہا رہے ہیں۔ گھنی جھاڑیوں میں سے پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو آ رہی ہے۔ راجہ دھوپ کا مارا تھا۔ درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں گھوڑا باندھ کر آرام کرنے لگا۔ تھوڑی دیر گذری تھی کہ وہاں ایک حسین لڑکی جوبن وتی پھول لینے کو آئی۔ راجہ نے اسے دیکھا تو وہ اُسے بڑی پیاری لگی۔ لڑکی جب پھول توڑ کر جانے لگی تو راجہ نے کہا۔

”یہ تم لوگوں کا کیا طریقہ ہے کہ مہمان آئے اور تم اس کی خدمت نہیں کرتے۔“

یہ سُن کر لڑکی رک گئی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو محبت بھری نظروں سے تکنے لگے۔ اتنے میں وہ رشی بابا بھی آ گیا جس کی یہ جوبن وتی بیٹی تھی۔ راجہ نے رشی کو دیکھ کر تعظیم کی۔ رشی نے اُسے دعا دی۔ رشی نے پوچھا کہ اس جنگل میں تم کس طرح آ نکلے؟ راجہ نے کہا کہ میں شکار کرنے راج محل سے نکلا تھا کہ راستہ بھول کر اس گھنے جنگل میں آ نکلا ہوں۔ رشی نے کہا کہ تم کس لئے اتنا ظلم کرتے پھرتے ہو۔ اس پر راجہ نے کہا کہ مہاراج! مہربانی فرما کر مجھ پر دھرم ادھرم کا راز افشا کرو۔ رشی نے کہا۔

سنیئے مہاراج! جو جانور گھاس کھا کر زندگی بسر کرتے ہیں اور جنگل میں رہتے ہیں ان کو مارنے سے بڑا ظلم ہوتا ہے۔ معاف کرنے میں بھلائی ہے۔ یہ جانور خدا کی دھرتی پر اس کے فائدے کے کام کرتے ہیں!"

یہ سن کر راجہ نے کہا کہ اب تک نادانی سے جو گناہ ہو گیا سو ہوا۔ پر اب میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ راجہ کی اس بات سے خوش ہو کر رشی نے کہا جو تو مانگے سو دوں گا۔ تب راجہ نے کہا کہ مہاراج! جو تم مجھ سے خوش ہوئے ہو تو اپنی بیٹی کی مجھ سے شادی کر دو۔ یہ سن کر رشی نے اپنی بیٹی کی شادی گندھرب بیاہ کی رسم کے مطابق راجہ سے کر دی۔ راجہ رشی کنیا کو لے۔ اپنے نگر کی طرف چلا۔ ابھی آدھے راستے میں تھا کہ سورج غروب ہو گیا اور آسمان پر ستارے نکل آئے۔ راجہ نے ایک گھنا درخت دیکھا۔ اس کے نیچے اترا۔ گھوڑا اس کی جڑ سے باندھا۔ زمین پر زین بچھا کر دونوں سو رہے۔

رات دوپہر سے زیادہ گذر گئی تھی کہ ایک بھیم راکشس نے راجہ کو آن جگایا اور کہا کہ اے راجہ! میں تیری بیوی کو کھانے آیا ہوں۔

راجہ نے کہا کہ ایسا مت کرو۔ جو تو مانگے گا تجھے دوں گا۔ اس پر راکشس نے کہا کہ اے راجہ۔ اگر تو سات برس کے برہمن کے لڑکے کا سر کاٹ کر مجھے دے تو میں تیری بیوی کو نہیں کھاؤں گا۔ راجہ نے کہا کہ میں ایسا ہی کروں گا۔ آج کے ساتویں دن تو میرے محل میں آنا میں تجھے دوں گا۔ یوں راجہ سے وعدہ لے کر راکشس وہاں سے چلا گیا۔ ادھر صبح صبح راجہ بھی اپنے محل میں پہنچ گیا۔ منتری نے آگے بڑھ کر راجہ کا خیر مقدم کیا۔ راجہ نے اسے ساری بات سنا دی کہ راکشس اس سے کیا کچھ وعدہ لے گیا ہے۔ راجہ نے منتری سے پوچھا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے منتری نے کہا۔ مہاراج! آپ کسی بات کی فکر نہ کریں۔ بھگوان سب بھلا کرے گا۔ اتنا کہہ کر منتری نے سوا من سونے کا ایک پتلا بنایا۔ اس میں جواہرات جڑوائے اور پتلے کو چوک میں رکھوا دیا۔ اور اعلان کر دیا کہ جو کوئی سات برس کے برہمن کے لڑکے کا سر کاٹ کر لائے وہ یہ سونے کا پتلا لے جائے۔ لوگ سونے کے پتلے کو دیکھنے آتے گئے اعلان بھی سنتے گئے تیسرے دن ایک غریب سا برہمن یہ اعلان سن کر اپنے گھر گیا اور بیوی سے کہنے لگا۔

"ہمارے تین بیٹے ہیں۔ اگر ہم اپنا ایک بیٹا راجہ کو دے دیں تو سوا من سونا ہمیں مل جاوے گا اور ہماری غریبی دور ہو جاوے گی!"

یہ سن کر برہمنی نے کہا۔ کہ چھوٹے لڑکے کو میں نہ دوں گی۔ برہمن نے کہا کہ بڑے لڑکے کو میں نہ دوں گا۔ یہ بات سن درمیان والے لڑکے نے کہا پتا جی! آپ مجھے راجہ کے حوالے کر دیں برہمن نے کہا کہ ٹھیک ہے اتنا کہہ کر برہمن نے منجھلے لڑکے کو ساتھ لیا۔ راجہ کے حوالے کر کے سوا من سونے کا پتلا اپنے گھر لے آیا۔ راجا نے اس لڑکے کو بہترین پوشاک پہنا کر اس کی پوجا کی اور تلوار ہاتھ میں لے کر اس کی قربانی دینے کے لئے تیار ہو گیا۔ اس پر لڑکا پہلے ہنسا، پیچھے رو دیا۔ اتنے میں راجہ نے تلوار کا ایک ہاتھ مارا۔ اور لڑکے کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ سچ ہے۔ جو عقل مند لوگ کہہ گئے ہیں استری دنیا میں دکھ کی جڑ ہے۔ اتنی کہانی کہہ کر بیتال نے کہا۔ کہ اے راجہ! مرنے کے وقت تو آدمی روتا ہے۔ پھر اس کی حقیقت بتا کر وہ لڑکا ہنسا کیوں؟ راجہ نے کہا کہ یہ سوچ کر وہ لڑکا ہنسا کہ لڑکپن میں ماں پالتی ہے بڑا ہوا تو باپ پرورش کرتا ہے اس کے بعد راجہ اپنی رعیت کی حفاظت کرتا ہے اور میرا یہ حال ہے کہ ماتا پتا نے دولت کے لالچ میں مجھے راجہ کے ہاتھ بیچ دیا۔ اور یہ تلوار لئے مارنے کو کھڑا ہے اور دیوتا کو قربانی کی خواہش ہے رحم کسی کو بھی نہیں آیا۔ یہ سن کر بیتال اسی پیڑ پر جا لٹکا اور راجہ بھی وہیں پہنچا اور اسے باندھ کاندھے پر ڈال لے چلا۔

برہمن کے لڑکوں کی کہانی

بیتال نے کہا اے راجہ! دھرم نگر نام کا ایک شہر تھا وہاں ایک راجہ حکومت کرتا تھا۔ جس کا نام دھرم جج تھا۔ اس شہر میں ایک برہمن گوبند نام کا بھی رہتا تھا۔ گوبند بڑا عالم فاضل اور شاستروں کا گیانی تھا۔ اس کے چار بیٹے تھے جن کے نام تھے ہری دت، سوم دت یگیہ دت اور برہم دت، چاروں لڑکے بڑے لائق، عالم فاضل اور باپ کے ہر حکم کو ماننے والے تھے۔ کچھ وقت بعد برہمن کا بڑا لڑکا مر گیا۔ باپ کو اس کا بڑا غم ہوا۔ اور وہ بھی بستر مرگ پر پڑ گیا۔ اس وقت راجہ کا بڑا پجاری وشنو شرما اس کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"انسان کو دکھ سے مفر نہیں۔ یہ جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو وہاں دکھ جھیلتا ہے۔ جوان ہوتا ہے تو محبت کے دکھ سہتا ہے بوڑھا ہوتا ہے تو کمزوری اعصاب اور اولاد کے دکھ درد سہتا ہے۔ دنیا میں جنم لینے سے دکھ بہت ہوتے ہیں اور سکھ تھوڑا ملتا ہے کیوں کہ یہ دنیا دکھوں کا گھر ہے۔ اگر کوئی درخت کی اوپر والی شاخ پر جا بیٹھے۔ یا پہاڑ کی چوٹی پر چلا جائے یا دریا کے اندر جا کر چھپ جائے یا لوہے کے پنجرے میں گھس رہے یا زمین کے اندر جا کر چھپ جائے۔ پھر بھی موت سے نہیں بچ سکتا۔ موت عالم، جاہل، غریب، امیر اور عورت مرد سبھی کو ایک نہ ایک دن آتی ہے۔ آدمی کی آدھی عمر تو رات کو سوتے ہوئے گذر جاتی ہے۔ باقی جو بچتی ہے اس میں سے آدھی عشق و محبت اور گھریلو جھگڑوں میں گذر جاتی ہے اس لئے سنسار میں سکھ کہاں؟ شہر آباد ہوتے ہیں۔ شہر برباد ہو جاتے ہیں۔ راجہ لالچی ہوتے ہیں زمین سب کیلئے پھل دیتی ہے مگر چور اور ظالم لوگ دوسروں کا حق مارتے ہیں۔ ادھر رات جاتی ہے۔ ادھر دن آتا ہے۔ ادھر چاند غروب ہوتا ہے۔ ادھر سورج طلوع ہوتا ہے۔ ایسے ہی جوانی جاتی ہے بڑھاپا آتا ہے۔ مگر انسان پھر بھی اس سے سبق حاصل نہیں کرتا۔ اس دنیا میں آ کے دکھ سے کسی کو بھی نجات نہیں مل سکتی!"

پجاری نے یہ باتیں سمجھائیں تب اس برہمن کے دل میں آئی کہ اب کوئی نیک کام کرنے لگیں۔ تب اس نے اپنے باقی بیٹوں سے کہا کہ میں یگیہ کرنے بیٹھتا ہوں تم سمندر سے جا کر کچھوا لے آؤ۔ اپنے باپ کا حکم پا کر ماہی گیر سے جا کر کہا۔ ایک روپیہ لے لے اور مجھے کچھوا پکڑ دے ماہی گیر نے کچھوا نکال کر کنارے پر رکھ دیا۔ تو ایک بھائی نے کہا کہ اسے تو اٹھا لے۔ دوسرے نے کہا کہ اسے تو اٹھا لے میں اسے نہ چھوؤں گا کیونکہ اس کے چھونے سے میرے ہاتھوں میں بو آنے لگے گی۔ اسی طرح تینوں آپس میں بحث کرنے لگے۔ اور کچھوے کو وہاں چھوڑ جھگڑتے ہوئے راجہ کے محل کے پاس آ گئے۔ چوکیدار سے انہوں نے کہا کہ راجہ سے جا کر کہہ کہ تین برہمن فریاد لے کر آئے ہیں۔ راجہ نے انہیں بلوا کر کہا کہ تم کس واسطے آپس میں جھگڑتے ہو؟ چھوٹا بھائی بولا کہ مہاراج! میں بھوجن چتر ہوں۔ منجھلے نے کہا کہ پرتھوی ناتھ! میں ناری چتر ہوں بڑے نے کہا کہ مہاراج! میں سیج چتر ہوں۔ یہ سن راجہ نے کہا کہ تم اپنا اپنا امتحان دو۔ انہوں نے کہا۔ کہ بہت اچھا ہم امتحان دینے کو تیار ہیں۔

راجہ نے اسی وقت شاہی باورچی کو بلا کر کہا بھانت بھانت کے کھانے پکا کر اس برہمن کو کھلاؤ۔ یہ سن باورچی نے کھانے تیار کر کے دسترخوان پر جا کر اس بھوجن چتر کو بٹھا دیا۔ اس نے ابھی پہلا لقمہ ہی اٹھایا تھا۔ کہ اسے اس کھانے میں سے بو آئی۔ اس نے لقمہ وہیں رکھا۔ اور ہاتھ دھو کر راجہ کے پاس آ گیا۔ راجہ نے پوچھا کہ کیا تم نے اطمینان سے کھانا کھا لیا؟ بھوجن چتر نے کہا کہ مہاراج اس میں سے بو آئی۔ میں نے کھانا نہیں کھایا۔ تب راجہ نے کہا کہ بو کی وجہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ مہاراج جو چاول باورچی نے پکائے ہیں وہ قبرستان کی زمین میں اُگے تھے۔ ان میں سے مردے کی باس آتی تھی اس واسطے میں نے کھانا نہیں کھایا۔ یہ سن کر راجہ نے بھنڈاری کو بلایا۔ اور اس سے پوچھا کہ یہ چاول کس گاؤں کے تھے؟ بھنڈاری نے کہا کہ شوپور کے تھے۔ مہاراج! تب وہاں کے کسان کو بلوایا گیا۔ کسان نے اعتراف کیا کہ اس نے چاولوں کی فصل جہاں بوئی تھی۔ وہاں ایک قبرستان تھا۔ یہ سن کے راجہ نے اس برہمن زادے سے کہا کہ تو سچ مچ

بھوجن چتر ہے۔

پھر استری چتر کو بلایا۔ ایک مکان میں پلنگ بچھا، سب خوشی کے سامان رکھوا۔ ایک اچھی عورت کو بلوا۔ اس برہمن زادے کے لئے رکھوا دیا۔ دونوں وہاں لیٹ کر آپس میں باتیں کرنے لگے۔ راجہ چھپ کے ایک جھروکے سے یہ سارا ماجرا دیکھنے لگا۔ اس برہمن نے چاہا کہ عورت کا بوسہ لے۔ اس نے عورت کے منہ سے باس سونگھ کر منہ پھیر کر سو رہا۔ راجہ نے یہ حرکت دیکھی تو اپنے مندر میں جا کر آرام کیا۔ صبح کے وقت دربار میں آ کر اس برہمن زادے کو بلا کر پوچھا کہ اے برہمن آج کی رات تو نے سکھ سے کاٹی؟ اس نے کہا مہاراج! سکھ نہ پایا۔ راجہ نے پوچھا کہ کس کارن سکھ نہ پایا۔ برہمن نے کہا کہ اس کے منہ سے بکری کی بو آتی تھی۔ یہ سن راجہ نے دلالہ کو بلا کر پوچھا کہ یہ عورت تو کہاں سے لائی تھی؟ عورت نے کہا کہ یہ میری بہن کی بیٹی ہے جب وہ مر گئی تو میں نے اسے بکری کے دودھ پر پالا تھا۔ یہ سن کر راجہ نے کہا کہ سچ مچ تو استری چتر ہے اب سیج چتر کی باری تھی۔ راجہ نے اسے ایک پلنگ پر اچھے سے اچھا بچھونا بچھا کر سلایا۔ صبح ہونے پر راجہ نے پوچھا کہ رات سکھ سے سوئے۔ برہمن نے کہا کہ رات بھر نیند نہ آئی۔ راجہ نے وجہ پوچھی تو اس برہمن نے کہا کہ اے راجہ اس سیج کی ساتویں تہہ میں ایک بال ہے۔ جو مجھے رات بھر تنگ کرتا رہا۔ راجہ نے اسی وقت بچھونے کی ساتویں تہہ کھلوا کر دیکھا تو وہاں سے ایک بال نکلا۔ تب راجہ نے کہا کہ تو سچ مچ سیج چتر ہے اتنی بات کہہ بیتال نے پوچھا۔ کہ ان تینوں میں کون سب سے زیادہ سیانا تھا؟ راجہ بکرماجیت نے کہا جو سیج چتر ہے یہ سن بیتال پھر اسی درخت پر جا لٹکا راجہ بھی وہیں جا، اسے باندھ، کاندھے پر رکھ، آگے لے چلا۔

برہمن یگیہ کے لڑکے کی کہانی

بیتال نے کہا اے راجہ! ایک شہر میں یگیہ شرما نام کا ایک برہمن رہتا تھا۔ اس کی بیوی کا نام سوم دتا تھا۔ وہ بڑی خوب صورت عورت تھی اس عورت میں سے برہمن کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جب وہ پانچ برس کا ہوا۔ تب اس کا باپ اسے شاستر پڑھانے لگا۔ بارہ برس کی عمر میں وہ سارے شاستر پڑھ کر بڑا عالم فاضل بن گیا اور اپنے باپ کی خدمت میں رہنے لگا۔ کچھ وقت گذرا تو وہ لڑکا مر گیا۔ اس کے غم میں ماں باپ رونے لگے۔ یہ سن کر سارے خاندان کے لوگ وہاں جمع ہوئے اور اس لڑکے کو ارتھی میں باندھ جلانے کے لئے شمشان بھومی کو لے کر چلے۔ وہاں سارے اس کا چہرہ دیکھ کر کہنے لگے کہ دیکھو یہ مرنے کے بعد بھی کس قدر خوب صورت لگ رہا ہے اس طرح سے وہ باتیں بھی کرتے تھے اور چتا بھی چن رہے تھے۔ اتفاق سے وہاں ایک جوگی بھی بیٹھا ریاضت کر رہا تھا یہ بات سن کر جوگی اپنے دل میں خیال کرنے لگا کہ میرا بدن اب بوڑھا ہو گیا ہے۔ اگر میں اس نوجوان لڑکے کے بدن میں داخل ہو جاؤں تو ساری زندگی عیش کروں۔ یہ سوچ کر جوگی اس مردہ لڑکے کے جسم میں داخل ہو کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ جیسے سوتے میں سے اٹھ کر بیٹھ گیا ہو۔ یہ دیکھ کر مردہ زندہ ہو گیا۔ سب کو بڑی حیرت ہوئی۔ سب اپنے اپنے گھر آ گئے۔ اس کے باپ کو سارا ماجرا سنایا۔ یہ سن کر لڑکے کا باپ پہلے ہنسا پھر رو پڑا۔ بیتال نے پوچھا۔ اے راجہ! یہ بتا کہ وہ کیوں ہنسا اور کیوں رویا؟ راجہ بکرماجیت نے کہا کہ جوگی کو اس کے بدن میں جاتا دیکھ کر اور یہ علم سیکھ کر ہنسا اور اپنے شریر چھوڑنے کے موہ سے رو دیا کہ اس طرح ایک دن مجھے بھی اپنا شریر چھوڑنا پڑے گا۔ یہ سن بیتال پھر اسی درخت پر جا لٹکا۔ اور راجہ بھی اس کے پیچھے جا، اسے باندھ، کاندھے پر رکھ، لے چلا۔

ناقابلِ حل معمّہ

تب بیتال نے کہا کہ اے راجہ! جنوب کی طرف ایک شہر ہے جس کا نام دھرم نگر ہے وہاں مہابل نام کا ایک راجہ حکومت کرتا تھا۔ اس کے عہد میں ایک دوسرے ملک کا راجہ اس کے ملک پر اپنی فوجیں لے کر چڑھ آیا۔ اس نے مہابل کے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ لڑائی شروع ہو گئی۔ کئی دن لڑائی ہوتی رہی مہابل کے کچھ فوجی دشمن کے ساتھ مل گئے۔ کچھ مارے گئے۔ شکست کو اپنے سامنے دیکھ کر راجہ ایک رات اپنی رانی اور بیٹی کو ساتھ لے قلعے کے خفیہ راستے سے نکل کر جنگل میں جا چھپا۔ صبح ہوئی تو اس نے دیکھا کہ وہ ایک گھنے جنگل میں پہنچ گیا ہے اس نے اپنی رانی اور بیٹی کو ایک درخت کے نیچے آرام کرنے کو کہا اور خود ان کے لئے کھانے پانی کا بندوبست کرنے کے لئے قریبی گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔ ابھی وہ گاؤں سے کافی دور تھا۔ کہ اچانک بھیل قوم کے ایک گروہ نے اسے آن گھیرا۔ اور راجہ پر تیر چلانے لگے راجہ نے بھی تیر کا جواب تیر سے دیا۔ ان میں لڑائی شروع ہو گئی۔ لیکن دشمن زیادہ تھے۔ راجہ اکیلا تھا۔ ایک تیر راجہ کے سینے میں ایسا لگا کہ وہ گر پڑا بھیل نے آ کر اس کا سر کاٹ لیا۔ جب رانی اور راجکماری نے راجہ کو مرا ہوا دیکھا تو وہ روتی پیٹتی الٹی جنگل کو چلیں۔ اتفاق سے اس جنگل میں چندر سین نام کا راجہ اور اس کا بیٹا، دونوں شکار کھیلتے ہوئے آن نکلے۔ اور ان کے پیروں کے نشان دیکھ کر راجہ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اے بیٹا! اس گھنے جنگل میں انسان کے پیروں کے نشان کہاں سے آ گئے؟ راجکمار نے کہا اے مہاراج! یہ نشان تو کسی عورت کے ہیں کیونکہ آدمی کا پاؤں اتنا چھوٹا نہیں ہوتا۔ راجہ نے کہا کہ ایسا چھوٹا قدم واقعی مرد کا نہیں ہوتا۔ پھر راجکمار نے کہا یہ نشان تازہ ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ کوئی استری ابھی ابھی یہاں سے گذری ہے۔ راجہ نے کہا کہ چلو اس جنگل میں اس عورت کو تلاش کرتے ہیں۔ اگر مل گئی تو جس کا یہ بڑا پاؤں ہے سو تجھے دوں گا۔ اور دوسری میں لوں گا۔ کیونکہ ایسا لگتا ہے کہ یہاں سے دو عورتیں گذری ہیں۔

اس طرح آپس میں عہد و پیمان کر کے دونوں آگے بڑھے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں دونوں بیٹھی ہوئی ہیں۔ یہ دیکھ کر باپ بیٹا بڑے خوش ہوئے اور اپنے اپنے قول کے مطابق دونوں کو گھوڑے پر بٹھا کر اپنے گھر لے آئے۔ رانی کو راجکمار نے رکھا اور راجکماری کو راجہ نے رکھ لیا۔ اتنی کہانی بیان کرنے کے بعد بیتال نے کہا۔ اے راجہ! یہ بتا کہ ان دونوں کے لڑکوں کا آپس میں کیا ناتا ہو گا؟ یہ سن کر راجہ خاموش رہا۔ جیسے اسے اس سوال کا جواب معلوم نہ ہو بیتال نے خوش ہو کر کہا۔ اے راجہ میں تمہارا حوصلہ اور صبر دیکھ کر خوش ہوا ہوں۔ اب سن۔ میں ایک بات کہتا ہوں۔ ایک شخص نام شیل شانت تیرے شہر میں آیا ہے اور تجھے اس نے مجھے لینے کو بھیجا ہے۔ اب بیٹھا مرگھٹ میں منتر جگا رہا ہے اور وہ تجھے قتل کرنا چاہتا ہے اس لئے میں بتائے دیتا ہوں کہ جب وہ پوجا کر چکے گا۔ تب تجھ سے کہے گا کہ اے راجہ! تو میری تعظیم کر۔ تب تو کہیو کہ میں راجاؤں کا راجہ ہوں اور سب راجہ آن کر میری تعظیم کرتے ہیں۔ میں نے آج تک کسی کے آگے تعظیم نہیں کی۔ آپ گرو ہیں۔ مجھے سکھا دیں کہ تعظیم کس طرح کروں؟ جب وہ تعظیم سکھانے کے لئے جھکے تو تم تلوار کا ایسا ہاتھ مارنا کہ اس کا سر تن سے جدا ہو جائے۔ اس کے بعد تو مطلق العنانی سے حکومت کرے گا۔ اگر تو نے ایسا نہ کیا تو وہ تجھے مار کر تیرے راج پر قبضہ کرے گا۔

اتنی بات راجہ کو بتا، بیتال مردے کے قالب سے نکل کر چلا گیا۔ راجہ نے مردے کو اٹھایا، اور لا کر جوگی کے آگے رکھ دیا۔ جوگی نے مردے کو دیکھا تو بڑا خوش ہوا۔ اور اس کی بڑی تعریف کی۔ پھر اس نے منتر پڑھ کر مردے کو زندہ کیا۔ پان، پھول، خوشبو اگربتی سگا پوجا کی اور راجہ سے کہا کہ اے راجہ اب میری تعظیم کر تا کہ تجھے امر راج نصیب ہو اور تیرا نام ساری دنیا میں روشن ہو گا۔ راجہ نے بیتال کی بات یاد کر ہاتھ باندھ کر کہا کہ اے جوگی مہاراج! میں پرنام کرنا تعظیم کرنا نہیں جانتا تو مجھے سکھا دے کہ میں تیری تعظیم کروں۔ یہ سن کر جوگی نے جونہی تعظیم کرنے کو سر جھکایا اسی وقت راجہ نے تلوار نکال کر ایک ہاتھ ایسا مارا کہ جوگی کا سر اس کے تن سے جدا کر دیا۔ اس پر بیتال نے راجہ پر پھولوں کا مینہ برسایا۔

منتری سیتہ پرکاش کی کہانی

بیتال بولا کہ اے راجہ ایک شہر میں بلبھ نام کا راجہ حکومت کرتا

تھا۔ اس کے وزیر کا نام سیتہ پرکاش تھا۔ اس وزیر کی بیوی کا نام لکشمی تھا۔ اس راجہ نے ایک روز اپنے دیوان سے کہا۔ کہ جو راجہ ہو کر خوب صورت عورت سے عیش نہ کرے اس کا راج کرنا فضول ہے یہ بات کہہ اپنے وزیر کو راج دے کر آپ محل میں بیٹھ کر عیش کرنے لگا۔ راج کی چنتا اور فکر سب چھوڑ دی اور دن رات مزے میں گذارنے لگا۔ ایک روز اتفاق سے وزیر اپنے گھر میں اداس بیٹھا تھا کہ اس کی بیوی نے پوچھا۔ سوامی! کیا وجہ ہے آپ کو کچھ دنوں سے اداس دیکھ رہی ہوں۔ وہ بولا۔ کیا کروں۔ راجہ تو صبح و شام عیش و عشرت میں دن گذار رہا ہے۔ مجھے سارا دن راج کاج کی فکر لگی رہتی ہے۔ وزیر کی بیوی نے کہا۔ اے میرے خاوند بہت دن تم نے راج کاج کیا۔ اب تھوڑے دنوں کے لئے راج دربار سے الگ ہو کر تیرتھ یاترا کرو کہ من کو سکھ چین ملے۔ وزیر اس کی یہ بات سن کر چپکا ہو رہا پھر جب وہاں سے اٹھا تو سیدھا راجہ کے پاس گیا۔ اس سے تیرتھ یاترا کی اجازت لی اور سفر پر روانہ ہو گیا۔

رات دن سفر کرتے کرتے آخر کار وہ سمندر کے کنارے ایک شہر رامیشور پہنچا۔ وہاں جاتے ہی مندر میں مہادیو کے درشن کر کے باہر نکلا اور اتفاق سے اس کی نظر سمندر میں پڑی۔ کیا دیکھتا ہے کہ سمندر میں سے ایک سونے کا درخت باہر نکلا جس کے پتے زمرد کے تھے۔ پھول پکھراج کے اور پھل مونگے کے تھے اس درخت پر ایک حسین عورت سُر منڈل ہاتھوں میں لئے میٹھے راگ گا رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک منتری یہ خوش نما منظر دیکھتا رہا۔ پھر یہ عورت درخت سمیت سمندر میں غائب ہو گئی۔ یہ تماشا منتری وہاں دیکھ الٹا پھر اپنے شہر میں آیا۔ اور راجہ کے پاس جا۔ آداب بجالا کر بولا۔

"مہاراج! میں ایک کرامت دیکھ کر آ رہا ہوں۔ اگلے زمانے کے لوگ کہہ گئے ہیں کہ جو بات کسی کی عقل میں نہ آوے اور کوئی یاد نہ کرے وہ بات نہ کہئے۔ پر میں نے یہ بات اپنی آنکھوں سے بالکل صاف صاف دیکھی ہے اس لئے کہتا ہوں مہاراج کہ جہاں رگھوناتھ جی نے سمندر پر پل باندھا ہے اس جگہ کیا دیکھتا ہوں۔ کہ سمندر میں سے سونے کا درخت نکلا ہے کہ زمرد کے پات، مونگے کے پھل اور پکھراج کے پھول ہیں۔ اس پر ایک حسین ترین عورت بین ہاتھ میں لئے میٹھے سُروں میں گا رہی ہے۔ پر تھوڑی دیر بعد وہ درخت سمندر کے اندر غائب ہو گیا۔

وزیر کی یہ بات سُن کر راجہ نے راج کاج اپنے وزیر کے حوالے کیا اور اکیلا ہی سمندر کے کنارے وزیر کی بتائی ہوئی جگہ پر پہنچ گیا۔ اس نے مہادیو کے مندر میں جا کر پوجا کی۔ جونہی پوجا کر کے وہ باہر نکلا کیا دیکھتا ہے کہ سمندر میں سے وہی سونے کا درخت باہر نکل آیا اس کی شاخوں پر ایک سندر عورت بیٹھی بین بجا رہی تھی۔ راجہ اس کو دیکھتے ہی سمندر میں کود گیا۔ تیرتے تیرتے وہ سونے کے درخت پر جا کر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی وہ درخت سمندر کے اندر غائب ہو گیا۔ درخت راجہ سمیت پاتال کو چلا گیا۔ پاتال میں جا کر سُندری نے راجہ سے کہا۔ اے بہادر مرد! تو کس لئے یہاں چلا آیا؟ راجہ نے کہا کہ میں تیرے حسن کے لالچ میں یہاں آیا ہوں۔ سُندری نے کہا۔

"اے راجہ! اگر تو کالی چودس کے دن مجھ سے نہ ملے تو پھر میں تیرے ساتھ بیاہ کر لوں گی۔

راجہ نے یہ بات مان لی۔ سُندری نے راجہ سے وعدہ لے کر اس سے شادی کر لی۔ تب جب کالی کی چودھویں رات آئی تو اس سُندری نے کہا کہ اے راجہ اپنے وعدے کے مطابق آج کی رات تو میرے ساتھ نہ رہ اور میرے گھر سے چلا جا۔ راجہ نے کہا کہ میں اپنے وعدے کو نبھاؤں گا۔ پس راجہ وہاں سے نکل آیا اور تلوار ہاتھ میں لے کر ایک طرف چھپ کر بیٹھ گیا۔ کہ دیکھتے ہیں آج رات کیا تماشا ہوتا ہے۔ جب آدھی رات ہوئی تو ایک دیو آیا اور اس نے آتے ہی سُندری کو اپنے گلے لگا لیا۔ یہ منظر راجہ سے برداشت نہ ہو سکا۔ وہ تلوار سونت کر سامنے آ گیا اور کڑک کر دیو سے بولا۔

"تم نے میرے سامنے میری بیوی کو ہاتھ لگایا ہے۔ اب تو سب سے پہلے میرے ساتھ جنگ کر پھر میں دیکھوں گا۔ کہ تو کس طرح سے میری استری کو لے جاتا ہے۔ میرے دل میں تمہارا اس وقت تک خوف تھا جب تک میں نے تمہیں دیکھا نہیں تھا۔ اب میرا دل نڈر ہو چکا ہے۔"

اتنی بات کہہ کر راجہ نے کھانڈے کا ایک ایسا ہاتھ مارا کہ دیو دو ٹکڑے ہو گیا۔ اور زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ یہ دیکھ کر سُندری نے راجہ سے کہا۔ اے بہادر مرد! تو نے مجھ پر بڑا احسان کیا نہ سب پہاڑوں میں لعل ہوتے ہیں اور نہ سب شہروں میں بہادر آدمی ملتے ہیں اور نہ ہر ایک ہاتھی کے ماتھے پر موتی ہوتا ہے۔ تب راجہ نے پوچھا کہ یہ راکشش کس واسطے تیرے پاس آیا تھا؟ اس عورت نے کہا۔

"میرے باپ کا نام بدیا دھر ہے اس کی میں بیٹی ہوں۔ میرا نام سُندری ہے۔ یہ بات مقرر تھی کہ میرے بغیر میرا باپ کھانا نہ کھاتا تھا۔ ایک دن کھانے کے وقت میں گھر پر نہ تھی تب میرے باپ نے غصہ کر کے مجھے بددعا دی کہ تجھے کالی کی چودھویں تاریخ کو ایک دیو آ کر گلے لگایا کرے گا۔ یہ سُن کر میں بولی کہ اے پتا! بددعا تو تم نے دے دی۔ اب مجھ پر رحم بھی کرو۔ اس نے کہا کہ ایک بہادر مرد آ کر ایک روز اس دیو کو ہلاک کر دے گا۔ تب تجھ پر سے بددعا کا اثر ہٹ جاوے گا۔ اب میں اس بددعا سے چھوٹی ہوں۔ اور میں اپنے باپ کو سلام کرنے جاؤں گی۔

راجہ نے کہا اگر تو میرے احسان کو مانتی ہے تو ایک بار میرے ساتھ چل کے دیکھ، اس کے بعد اپنے باپ سے ملاقات کو جانا۔ سندری نے کہا اچھا جس طرح سے آپ کہتے ہیں۔ مجھے قبول ہے پھر راجہ اس حسین عورت کو ساتھ لے اپنی راجدھانی میں آیا۔ اس کی آمد پر شادیانے بجنے لگے۔ ساری نگری میں خبر ہو گئی کہ راجہ آ گیا ہے تب گھر گھر راجہ کے آنے کی خوشیاں منائی جانے لگیں۔ پھر تو سارے جہان کے منگلا مکھی راجہ کے ہاں مبارک باد دینے آنے لگے راجہ نے بہت سی دولت خیرات کر دی۔ پھر کئی ایک روز بعد وہ سُندری بولی کہ مہاراج! اب میں اپنے باپ سے ملنے جاؤں گی۔ راجہ نے اداس ہو کر کہا کہ اچھا جیسے تمہاری مرضی تم جاؤ۔ میں تمہیں روک نہیں سکتا۔ راجہ کو اداس دیکھ کر سندری نے کہا کہ مہاراج میں نہ جاؤں گی۔ راجہ نے کہا کہ تو نے کس واسطے اپنے باپ کے گھر جانا موقوف کیا؟ وہ بولی کہ اب میں مرد کی ہو چکی اور پتا میرا گندھرب ہے۔ اب میں جاؤں گی تو وہ میری تواضع نہ کرے گا اس لئے میں نہیں جاتی۔

یہ سن کر راجہ بڑا خوش ہوا اور لاکھوں روپے خیرات دی۔ راجہ کے اس احوال کے سننے سے وزیر کی چھاتی پھٹی اور وہ مر گیا۔ اتنی بات کہہ کر بیتال بولا۔ اے راجہ! کس لئے وہ منتری یعنی وزیر مر گیا؟ یہ سوال سن کر راجہ بکرماجیت نے کہا کہ وزیر نے دیکھا کہ راجہ تو عیش کرنے لگا اور راج کاج کی فکر سب بھلا دی۔ رعایا لاوارث ہوئی۔ اب میرا کہا کوئی نہ مانے گا۔ اسی چنتا سے وہ مر گیا۔ یہ سن بیتال اسی درخت پر پھر لٹک گیا۔

برہمن اور کالا ناگ

اے راجہ بکرماجیت! چھڑا پور نامی ایک شہر ہے وہاں کا چھترامن نام ایک راجہ تھا جس کے گورو کا نام دیو سوامی تھا اور اس کے بیٹے کا نام ہری سوامی تھا۔ ہری سوامی بہت خوب صورت، دولت مند اور بہادر تھا۔ ہری سوامی ایک برہمن کی سُندر بیٹی کو بیاہ کر لے آیا۔ ان کی آپس میں بڑی محبت تھی۔ دونوں خوشی خوشی دن گذار رہے تھے ایک روز

رات کو دونوں گرمی کے موسم میں چھت پر غافل پڑے سوتے تھے اتفاق سے ایسا ہو گیا کہ ہری سوامی کی بیوی کے چہرے پر سے چادر سرک گئی۔ اس وقت گندھرب اپنے اڑنے والے رتھ پر بیٹھا اُدھر سے گذر رہا تھا۔ اچانک اس کی نظر ہری سوامی کی بیوی پر پڑی۔ وہ رتھ کو نیچے لے آیا۔ اور اس سندری کو سوتے میں ہی رتھ پر لاد کر لے اڑا۔ کچھ دیر بعد برہمن سو کر اٹھا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کی بیوی پاس نہیں تب وہ گھبرایا اور چھت سے اتر کر سارے گھر میں اسے تلاش کیا۔ جب وہ اسے گھر میں کہیں بھی نہ ملی تو وہ اسے شہر کے گلی کوچوں میں تلاش کرنے لگا۔ پر اس کو اپنی بیوی کا کوئی سُراغ نہ ملا۔ ناامید ہو کر بیٹھ گیا اور اپنے جی میں کہنے لگا کہ آخر اسے کون لے گیا؟ وہ کہاں چلی گئی؟ جب کوئی بس نہ چلا۔ تو ناچار افسوس کرتا واپس ہو گیا .... گھر میں آ کر اس نے دوبارہ تلاش کیا مگر بیوی کو کہیں نہ پایا۔ جب دو چار روز گذر گئے اور اس کی بیوی کی کوئی خبر نہ ملی۔ تو اُس نے دنیا چھوڑ جوگ لے لیا۔ انگ بھبوت رمائی۔ لنگوٹ باندھا۔ ترشول ہاتھ میں لیا اور تیرتھ کو نکل کھڑا ہوا۔

نگر نگر تیرتھ کرتا۔ ایک شہر میں دوپہر کے سمے پہنچا جب بھوک سے لاچار ہوا تو ڈھاک کے پتوں کا دونا بنا کر ایک برہمن کے گھر جا کر دروازے پر دستک دی کہ بھوکا ہوں کچھ کھانے کو ملے برہمن نے دونا لے کر اس میں کھیر ڈال دی۔ وہ کھیر سے بھرا ہوا دونا لے کر جنگل میں آ گیا۔ دونا ایک بڑ کے درخت کے نیچے رکھا اور خود ہاتھ دھونے ندی پر گیا۔ ادھر کیا ہوا کہ درخت کی جڑوں میں سے ایک کالا ناگ نکلا۔ اس نے منہ دونے میں ڈال کر تھوڑی کھیر چکھی اور واپس اپنے بل میں چلا گیا۔ کھیر زہریلی ہو گئی تھی۔ پر برہمن کو کچھ خبر نہ تھی۔ وہ ندی سے واپس آیا۔ بڑی بھوک لگی تھی۔ اس نے وہ دونا لے کر کھیر کھانی شروع کر دی اسے زہر چڑھنا شروع ہوا۔ تو جھٹ اس برہمن کے دروازے پر گیا جس نے اسے کھیر دی تھی۔ اسے کہا کہ تو نے مجھے کھیر میں زہر ڈال کر دی ہے میں تیرے زہر سے مر رہا ہوں۔ یہ کہا اور زمین پر گر کر مر گیا۔ اسے مرتا دیکھ کر برہمن نے اپنی بیوی کو گھر سے نکال دیا۔

بیتال نے راجہ بکرماجیت سے پوچھا کہ ان میں سے گناہ گار کون تھا؟ راجہ نے کہا سانپ کے منہ میں تو زہر ہوتا ہے۔ اس سے گناہ نہیں ہوا۔ اور برہمن نے بھوکا جان کے خیرات دی۔ اس سے بھی کوئی گناہ نہیں ہوا۔ اس برہمنی نے اپنے خاوند کے حکم سے بھیک دی تھی۔ گناہ تو اس سے بھی نہ ہوا۔ اور اس نے بھی ان جانے کھیر کھائی۔ اس سے بھی گناہ نہ ہوا۔ غرض ان میں سے جس کے ساتھ کوئی گناہ لگا دے وہ گناہ گار ہے یہ سن کر بیتال پھر درخت پر چڑھ کر لٹک گیا اور راجہ اسے کاندھے پر ڈال کر آگے کو روانہ ہو گیا۔

اننگ منجری کی کہانی

بیتال نے کہا کہ اے راجہ! البسال پور نام ایک شہر ہے وہاں کے راجہ کا نام بھونیشور تھا اسی شہر میں ایک ارتھ دت نام کا ایک بنیا بھی رہتا تھا۔ اس کی بیٹی کا نام اننگ منجری تھا۔ جب وہ جوان ہوئی۔ تو بنیے نے اس کی شادی کنول پور کے منی نام بنیے سے کر دی۔ کچھ عرصہ بعد وہ بنیا سمندر پار کاروبار کرنے گیا۔ ادھر اس کی بیوی منجری ایک روز اپنی چھت پر کھڑی گلی میں دیکھ رہی تھی کہ ایک سندر برہمن زادے کا گذر ہوا۔ دونوں کی آنکھیں ملیں۔ اور دونوں ایک دوسرے کی محبت کا شکار ہو گئے۔ برہمن زادہ اپنے ایک دوست کے گھر گیا وہ جدائی سے بے حال تھا ادھر بنیے کی بیوی منجری کا بھی برا حال تھا۔ اتنے میں اس کی سہیلی نے آن کر اس پر گلاب چھڑکا اور خوشبوئیں سنگھائیں تب اسے ہوش آیا اور بولی کہ اے کام دیو! مہادیو نے تجھے جلا کر بھسم کیا۔ اس پر بھی تو اپنی بے وفائی سے نہیں چوکتا اور بغیر قصور کے لوگوں کو دکھ دیتا ہے۔

منجری یہ باتیں کہہ رہی تھی کہ شام ہو گئی۔ آسمان پر چاند نظر آیا۔ تب چاندنی کی طرف دیکھ کر بولی۔

" اے چاند ہم سنتے تھے کہ تم میں امرت ہے اور کرنوں کے راستے تم امرت برساتے ہو۔ پر آج تم میرے اوپر زہر برسانے لگے "۔

پھر اس نے اپنی سہیلی سے کہا۔ کہ یہاں سے مجھے اٹھا کے لے چل کہ میں چاندنی سے جلی مرتی ہوں۔ تب وہ اسے اٹھا کر چوبارے پر لے گئی۔ اور کہا تجھے ایسی باتیں کہتے لاج نہیں آتی منجری نے کہا۔ اے سکھی میں سب جانتی ہوں۔ پر دل کے پیار نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا۔ میں بہت صبر کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ مگر جدائی کی آگ میں جلتی ہوں اور اب یہ گھر مجھے زہر لگنے لگا ہے سہیلی نے کہا تو خاطر جمع رکھ میں تیرا سب دکھ درد ابھی دور کرتی ہوں۔

اتنا کہہ کر سکھی اپنے گھر گئی۔ اُدھر منجری نے اپنے دل میں سوچا کہ اس سہیلی کو تو میں اپنے حال پر چھوڑ دوں۔ کیا خبر وہ میرے لئے کچھ کرتی بھی ہے کہ نہیں۔ کیوں نہ میں پھانسی کا پھندا ڈال کر مر جاؤں۔ تاکہ دوسرے جنم میں اپنے پریمی سے جا کر ملوں اور اس کے وصل سے شاد کام ہوں اتنا سوچ کر گلے میں پھندا ڈال کر رسی کھینچنے ہی والی تھی کہ اتنے میں اس کی سہیلی وہاں آن پہنچی اس نے جھٹ اس کے گلے سے پھندا نکال کر کہا جینے سے سب کچھ ہے۔ مرنے سے کچھ بھی نہیں ملتا منجری نے کہا کہ ایسے دکھ پانے سے تو مرنا بھلا۔ سکھی نے کہا تو ایک پل کو صبر کر میں ابھی جا کر اسے لاتی ہوں۔

اتنا کہہ کر وہ وہاں گئی جہاں اس کا پریمی تھا اسے چھپ کے دیکھا تو وہ بھی جدائی سے پریشان ہو رہا تھا اور اس کا دوست گلاب کے پانی سے چندن گھس کر اس کے بدن میں لگاتا تھا اور کیلے کے ٹھنڈے پتوں سے اسے ہوا دے رہا تھا اس پر بھی پریمی جدائی کی آگ میں پھنک رہا تھا اور پکارتا۔ زہر لا دے دوست کہ میں زہر کھا کر اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کروں اس کی یہ حالت دیکھ کر سکھی نے سوچا کہ یہ تو دونوں ہی محبت کی آگ میں جل بھن رہے ہیں اتنا سوچ کر سکھی برہمن زادے کے سامنے آ گئی اور بولی کہ اے پریمی! تیری محبوبہ نے پیغام بھیجا ہے کہ آ کر مجھے اپنی زندگی کی قربانی دے۔ یہ سن کر وہ برہمن زادہ اٹھ کھڑا ہوا اور بولا کہ چل میں اس کے پاس جا کر اپنی زندگی کی قربانی دیتا ہوں۔ وہ سکھی برہمن زادے کو ساتھ لے کر چل پڑی۔ وہاں جا کر کیا دیکھتے ہیں کہ وہ سندری یعنی برہمن زادے کی محبوبہ منجری مری پڑی ہے۔ یہ دیکھ کر پریمی نے ایک آہ کھینچی اور وہیں پر اپنی جان دے دی۔

صبح ہوئی تو گھر کے لوگوں نے دونوں کو مردہ پایا۔ پھر وہ دونوں کی لاشوں کو ارتھی پر رکھ کر مرگھٹ کو جلانے لے چلے۔ دونوں لاشوں کو چتا پر رکھ کر آگ لگانے ہی والے تھے کہ اتنے میں منجری کا خاوند جو سوداگری کرنے پردیس گیا ہوا تھا۔ وہاں آ گیا۔ لوگوں کے رونے کی آواز سن کر وہ چتا کے پاس گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کی بیوی ایک غیر مرد کے ساتھ چتا پر جلائی جا رہی ہے۔ یہ دیکھ کر وہ بھی صدمے کی تاب نہ لا کر چتا پر گر کر مر گیا یہ حال دیکھ کر لوگوں کو بڑا تعجب ہوا۔ کہ ایسا واقعہ نہ آنکھوں دیکھا نہ کبھی کانوں سنا۔

اتنی کتھا کہہ کر بیتال نے کہا۔ کہ اے راجہ! ان تینوں میں سے کون سا انسان جذبات سے مغلوب ہوا۔ راجہ بولا کہ خاوند جذبات سے مغلوب ہوا۔ بیتال نے پوچھا کہ خاوند کس وجہ سے جذبات سے مغلوب ہوا؟ راجہ نے کہا کہ جس نے اپنی ناری کو دوسرے کے ساتھ چتا پر لیٹا دیکھ کر غصے اور حسد کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے محبت میں آ کر اپنی جان دے دی۔ یہ سن کر بیتال جھٹ سے درخت پر جا لٹکا اور راجہ اسے وہاں سے اتار کر کندھے پر ڈال کر اپنی راہ ہو لیا۔

برہمن کے چار لڑکوں کی کہانی

بیتال نے کہا اے راجہ! جتھل نام ایک شہر تھا جہاں وردھمان نامی ایک راجہ حکومت کرتا تھا اسی شہر میں ایک برہمن بھی تھا جس کے چار لڑکے تھے ایک جواری

تھا۔ دوسرا نڈمی یاد تھا۔ تیسرا نادانی تھا اور چوتھا بے دین تھا۔ ایک روز ان کا برہمن باپ اپنے لڑکوں کو سمجھانے لگا۔ کہ جو کوئی جوا کھیلتا ہے اس کے گھر لکشمی نہیں رہتی۔ یہ سن کر وہ جواری لڑکا اپنے دل میں بڑا رنجیدہ ہوا پھر اس کے باپ نے کہا کہ راج نیتی میں ایسا لکھا ہے کہ جواری کے ناک کان کاٹ کر جلا وطن کر دو۔ تاکہ دوسرے لوگ جوا نہ کھیلیں۔ اور جواری کے لڑکوں اور بیوی کے گھر پر ہوتے بھی انہیں گھر میں نہ جانیئے۔ کیوں کہ کوئی خبر نہیں کہ جواری انہیں کب جوئے میں ہار دے اور جو رنڈیوں کے نخروں پر مرمٹتا ہے وہ اپنے دل کو دکھوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اور ان کا دین اور ان کی زندگی رنڈیوں کے بس میں ہوتی ہے۔ یہ لوگ آخر میں چوری کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور شاستروں میں لکھا ہے کہ جو عورت ایک پل میں مرد کے دل کو موہ لیتی ہے دانا لوگ ایسی عورت سے ہمیشہ دور رہتے ہیں۔ اور نادان لوگ ایسی عورت سے موہ بڑھا کر اپنی طاقت، جوانی اور عقل سب کچھ کھو دیتے ہیں یہاں تک کہ اپنے دین سے بھی ہاتھ دھوتے ہیں اور ان لوگوں کو اپنے گورو کی نصیحت بھی اچھی نہیں لگتی اور جو لوگ اپنی عزت سے محروم ہو جاتے ہیں وہ دوسروں کی عزت کی کب پروا کرتے ہیں اور مثل مشہور ہے کہ جو بلا اپنے بچوں کو کھا جاتی ہے وہ چوہے کو کب چھوڑے گی؟

اور شاستروں میں لکھا ہے کہ جنہوں نے بچپن میں عقل نہ سیکھی اور جوانی میں جوبن کے گھمنڈ میں رہے سو وہ آخر میں پچھتاتے ہیں اور حرص کی آگ میں جلتے ہیں۔ یہ بات سن کر چاروں نے بچار کیا کہ عقل کے بنا جینے سے تو موت ہی اچھی ہے اس لئے بہتر یہی ہے کہ پردیس جا کر علم حاصل کیا جائے۔ یہ بات دل میں ٹھان کر وہ ایک اور دیس میں گئے۔ اور کافی دیر وہاں علم حاصل کرنے کے بعد گیانی پنڈت ہو کر واپس اپنے گھر کو آ گئے۔ راستے میں ایک جگہ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک کنجر مردہ شیر کی ہڈیاں چمڑی جدا کر گٹھری باندھ کر لے جانا چاہتا ہے اس پر انہوں نے کہا کہ آؤ اپنی اپنی عقل اور علم استعمال کریں یہ سوچ کر ایک نے اس کنجر کو بلا کر کچھ دیا۔ اور اس سے گٹھری لے لی۔ پھر ایک طرف لے جا کر گٹھری کھول کر ساری ہڈیاں ایک جگہ اکٹھی کیں اور منتر پڑھا اور چھینٹا مار کر ساری ہڈیاں آپس میں جڑ گئیں۔ دوسرے نے منتر پڑھ کر ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا تیسرے نے اس گوشت پر منتر پڑھا تو ماس پر کھال منڈھ گئی۔ چوتھے نے اس پر منتر پڑھا تو شیر دھاڑ مار کر زندہ ہو گیا اور چاروں کو کھا گیا۔

اتنی کہانی کہہ کر بیتال نے پوچھا کہ اے راجہ بتا کہ ان چاروں میں سے کون زیادہ احمق تھا؟ راجہ نے کہا کہ جس نے اسے زندہ کیا وہی سب سے زیادہ احمق تھا۔ بیتال نے کہا ایسا کیوں؟ راجہ نے کہا کہ عقل کے بغیر علم کسی کام کا نہیں ہوتا۔ بلکہ علم سے عقل کا درجہ بلند ہے۔ اور عقل کے بغیر عالم اسی طرح مرتے ہیں جس طرح شیر کو زندہ کرنے والے مر گئے۔ یہ سن بیتال اسی درخت سے پھر سے جا لٹکا۔ پھر راجہ اسے کاندھے پر رکھ آگے چل دیا۔

نرائن برہمن کی کہانی

بیتال نے کہا کہ اے راجہ! ایک شہر تھا ایشو پور۔ وہاں ایک راجہ بدگدھ حکومت کرتا تھا اس کے شہر میں نرائن نام ایک برہمن بھی رہتا تھا۔ ایک دن وہ برہمن اپنے دل میں سوچنے لگا کہ میرا جسم اب بوڑھا ہو گیا ہے۔ اور میں دوسرے کے جسم میں داخل ہونے کے علم کو جانتا ہوں۔ اس لئے کیوں نہ میں اس بیمار بوڑھے جسم کو چھوڑ کر کسی جوان آدمی کے جسم میں جا کر بیٹھ جاؤں اور باقی زندگی بھی عیش کروں۔ چنانچہ وہ ایک نوجوان مردے کے جسم میں بیٹھنے لگا تو پہلے رو دیا اور پھر ہنسا۔ تب اس بدن میں بیٹھ کر گھر واپس آیا۔ اس کے گھر والے اس کے اس علم سے واقف تھے۔ برہمن ان کے آگے کہنے لگا کہ میں اب جوگی ہوا۔ اتنا کہہ کر پڑھنے لگا۔

"آتما کے سرودر کو تپیا کے تیج سے سکھا۔ اس میں من کو رکھ جو اندریوں کو مستقل کرے وہ جوگی چتر کہاوے اور دنیاداروں کے ساتھ آخر میں یہی ہوتا ہے کہ انگ گلے، منڈ ھلے، دانت گریں۔ بوڑھے ہو لاٹھی سے پھریں تو بھی حرص و ہوس ختم نہیں ہوتی۔ اس طرح سے وقت گذر جاتا ہے۔ دن ہوا۔ رات ہوئی۔ برس ہوا۔ مہینہ ہوا۔ بالک ہوا۔ بوڑھا ہوا۔ اور کچھ نہیں معلوم کہ میں کون ہوں اور لوگ کون ہیں اور کون کس کے لئے کس کا ماتم کرتا ہے؟ ایک آتا ہے ایک جاتا ہے اور انت کال سب ہی جانے والے ہیں۔ ان میں سے ایک بھی باقی نہ رہے گا انیک انگ ہیں اور انیک من ہیں۔ اور انیک موہ ہیں قسم قسم کے چتر بو بہانے رچے ہیں پر گیانی بدھی وان ان سے بچ کر حرص و ہوس کو مار، سر منڈا، ہاتھ میں کمنڈل لے۔ کام کرودھ کو مار، جوگی ہو تیرتھ تیرتھ ننگے پاؤں ڈولے پھرتے ہیں۔ سو موکش پد وہ تھا پاتے ہیں اور یہ سنسار خواب کی طرح ہے اس میں کس کی خوشی کریں اور کس کا غم؟ اور کیلے کے پتے کی طرح سنسار ہے اور دولت، حسن، جوانی اور علم کا جو غرور کرتے ہیں سو غافل ہیں نادان ہیں۔ اور جو جوگی ہو کمنڈل ہاتھ میں لے بار بار بھیک مانگ دودھ گھی اور چینی سے اپنے بدن کو موٹا کرتے ہیں اور پُرشہوت ہو کر عورت سے بھوگ کرتے ہیں سو وہ اپنا جوگ کھاتے ہیں"

اتنا پڑھ کر وہ بولا کہ اب میں تیرتھ یاترا کروں گا یہ بات سن اس کے گھر والے بڑے خوش ہوئے۔ اتنی کہانی کہہ بیتال بولا۔ اے راجہ! کس کارن وہ برہمن رویا اور کس کارن وہ ہنسا؟ تب راجہ نے کہا کہ بالک پن کا ماں کا پیار اور جوانی کا سکھ یاد کر اور اتنے دنوں اس جسم کے رہنے کے خیال سے رویا اور اپنی بدیا سمدھی کر کے نئے جسم میں بیٹھنے کی خوشی سے ہنسا۔ یہ بات سن بیتال پھر سے درخت پر جا لٹکا اور راجہ اسے اسی طرح باندھ کر کندھے پر رکھ لے چلا۔

عجائب القصص

مصنف کے حالاتِ زندگی

اس کتاب کا مصنف عزیز الدین عالمگیر ثانی کا بیٹا تھا۔ ان کے پردادا شاہ عالم اوّل تھے ان کا خاندانی نام عالی گوہر تھا۔ ان کی تاریخ پیدائش ۱۱۴۱ ہجری (۱۷۱۹ء) ہے خاندان مغلیہ کے چشم و چراغ تھے۔ لقب شاہ عالم ثانی اور تخلص آفتاب تھا۔ غلام قادر روہیلہ نے تخت پر قبضہ کرنے کے بعد ان کی آنکھیں نکلوا دی تھیں۔ وہ نابینا ہو گئے اور اسی حالت میں یہ داستان ایک منشی سے زبانی بول کر لکھوائی۔ اس کتاب کا شمار شمال ہند کی شروع شروع کی نثر کی تصانیف میں سے ہوتا ہے اور اردوئے معلی کی یہ پہلی نثری تصنیف کہی گئی ہے جس میں ہمیں قلعے کی بامحاورہ اور سلیس زبان ملتی ہے اس کتاب میں ہمیں محل کے آداب و رسوم، تقریبات اور دوسری تفصیلات کے بارے میں مکمل معلومات حاصل ہوتی ہیں یہ کتاب ۱۷۹۳ عیسوی کے قریب قریب لکھی گئی۔

شاہ عالم ثانی پڑھے لکھے شہزادے تھے اور انہیں فارسی، ترکی اور عربی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ ہندی اور سنسکرت بھی خوب جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں اس قصے میں جا بجا کبت دوہے اور ہندی کے اشعار ملتے ہیں۔ کتاب میں احادیث اور آیات قرآنی بھی جگہ جگہ استعمال کی گئی ہیں۔ ہندی بھاشا پر انہیں پورا پورا عبور حاصل تھا کیونکہ ان کی والدہ ہندو رانی تھیں جن کا نام لال کنور تھا۔ شاہ عالم ثانی شعر بھی کہتے تھے۔ فارسی، اردو اور بھاشا میں شاہ عالم تخلص کرتے تھے ان کا لکھا ہوا فارسی کا ایک دیوان بھی ہے جس کا قلمی نسخہ بہار ریسرچ سوسائٹی پٹنہ کے کتب خانے میں اور دوسرا لندن کے میوزیم میں موجود ہے۔ محمد حسین آزاد آبِ حیات میں لکھتے ہیں کہ شاہ عالم ثانی کے اردو کے چار دیوان تھے۔ ایک کتاب "نادراتِ شاہی" کا قلمی نسخہ رامپور کے شاہی کتب خانے میں ہے۔ یہ کتاب شاہ عالم ثانی کے اردو، فارسی اور ہندی اشعار کا مجموعہ ہے جسے ۱۹۴۴ء میں امتیاز علی خاں عرشی نے مرتب

سے شائع کر دیا۔

عجائب القصص کی ماہیت

یہ کتاب شہزادہ شجاع الشمس اور ملکہ مہر نگار کی داستان پر مشتمل ہے

اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔ کتاب کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے۔

"حمد و ثنائے بے پایاں اور شکر اور سپاس فراواں اس منعم حقیقی کو ہے کہ صبح و شام پیر و جوان، خورد و کلاں، انعام عام اس کے سے کامیاب اور بہرہ اندوز ہیں اور انسان و حیوان و وحوش و طیور، جن و پری، سنگ و آہن، بحر و بر، زمین و زمان، حور و ملک، ماہ و ماہی تک یاد اُس کی میں مشغول و معروف شب و روز ہیں۔"

کسُو کو عطا و نعمت کر دیا
کسُو کو کسی حب چمن کر دیا
جسے چاہے دے مصر و روم اور شام
عزیز اور قیصر رکھے اس کا نام
کسی کے تئیں حکمت علم دے
کسی کے تئیں حلم اور حِلم دے
زمین آسماں دیو و حور و پری
عطارد، زحل، زہرہ و مشتری
اسی کی یہ سب ساخت ہے بے مثیل
جسے کہتے ہیں پاک پروردگار
کیا باپ سے اس نے یوسف جدا
اسی نے دیا مصر میں پھر ملا
کسی کے تئیں غرق دریا کرے
دگر چاہے ناداں کو دانا کرے
جسے چاہے وہ دیوے قدر رفیع
کہ جن و پری ہو دیں اس کے مطیع

نعت شریف

درود و سعادت درود اور صلوٰۃ نامحدود بر حضرت سرور انبیا، برہان الاصفیا، تاج الاولیا، خواجۂ ہر دو سرا، سلطان الاتقیا، رسول الثقلین، نبی الحرمین، محبوب رب المشرقین والمغربین، جد الحسن والحسین، صاحب قاب قوسین، احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلعم، اور اوپر آل اور اصحاب اس کے کہ خود آفریدگار عالم نے ثنا اس کی کہی اور سب پیغمبروں پر فضیلت اس کو دی۔ خلعت نبوت اس کے قامت پر راست کیا اور چراغ رسالت اُس کے دست مبارک میں دیا تا سرگشتگان بیابان گمراہی کو شہراہ آگاہی میں لائے اور ساتھ نور شمع ہدایت کے راہ راست دکھلائے۔ والی ولایت نبوت اور مالک ملک رسالت ہے کہ صدائے لا الٰہ الا اللہ آغاز نوبت بہ نوبت اس کی ہے اور محمد الرسول اللہ آوازۂ نقارہ رسالت اس کا ہے۔ نہ قلت یاراں سے ہراساں اور نہ کثرت دشمناں سے ترساں۔ یہ زور بازوئے الطاف نامتناہی الٰہی، بادشاہی دونوں جہانوں کی لی اور داد عبادت اور حق شناسی اور پرہیزگاری اور بندگی کی دی۔

محمد سرورِ ہر دو جہاں ہے
محمد باعثِ کون و مکاں ہے
محمد موردِ لطفِ خدا ہے
محمد شافعِ روزِ جزا ہے
محمد معدنِ رازِ نبوت
محمد مخزنِ سِرِّ رسالت
محمد مفخرِ اولادِ آدم !!
محمد موجبِ ایجادِ عالم

ہند سندھ اس سے بہرہ مند، روم اور زنگ اس سے برآب و رنگ، راہ نمائے سیاہ و سپید، ناامیدوں کو اس سے امید، نمائندہ راہ راست دستگیر روز باز خواست شہنشاہ عالم، نبی معظم، رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ آلہٖ و اصحابہٖ افضل بنی آدم۔

سبب تصنیف و تالیف

مصنف اس حکایت رنگین اور مؤلف اس افسانۂ شیریں کا گدائے درگاہ حضرت محمد رسول اللہ ابوالمظفر جلال الدین محمد شاہ عالم بادشاہ نام، اور تخلص اس ذرۂ جناب الٰہی کا مثل آفتاب عالم تاب کے ماہ سے ماہی تک مشہور اور مشرق سے مغرب تک معروف ہے۔ ایام طفولیت سے خاطر مبارک ہماری مائل اور راغب طرف سخن فہمی اور سخن سنجی کے ہے اور سخن گوئی اور سخن دانی مشکل ترین فنون سے ہے اور بغیر امداد الٰہی کے اشعار برجستہ کہنے ممکن نہیں جیسا کہ کہتے ہیں "الشعراء تلامیذ الرحمان" اور اکثر بزرگ حق شناس اور بادشاہ قدسی اساس مشغول اور معروف اس طرف رہے ہیں۔ ہر چند ہر ایک علم اپنا اپنا رکھتا ہے۔ لیکن نشہ شعر کا بھی خالی کیفیت سے نہیں۔ اور جب سب علموں سے ماہر ہو، تب اس علم سے واقف ہو۔ جب چند دیوان بہ زبان فارسی اور بہ زبان ریختہ ارشاد حضور والا مرتب ہوئے اور کبت دوہرے حد سے گذرے یکایک یہ مزاج اقدس ارفع اعلیٰ میں آیا کہ قصہ بہ زبان ہندی بہ عبارت نثر کہیے اور کوئی لفظ اس میں غیر مانوس اور خلاف روزمرہ اور بے محاورہ نہ ہو اور عام فہم اور خاص پسند ہووے کہ جس کے استماع سے فرحت تازہ اور مسرت بے اندازہ مستمع کو حاصل ہو۔ اور آداب سلطنت اور طریق عرض و معروض دریافت ہوں۔ اور اگر جاہل پڑھے تو اس کے فیض سے عالموں سے بہتر گفتگو اور بول چال بہم پہنچائے۔ القصہ یہ قصہ بارہ سے سات (۱۲۰۷) ہجری میں لکھنا کیا شروع اور نام عجائب القصص رکھا۔

عجب ہے یہ افسانہ دل فریب
عجب گفتگو ہے عجیب و غریب
عجب شوق اسمیں عجب عشق ہے
سُنے جب کہ عاشق کہے عشق ہے
سُنے عشق سے ہے یہ لبریز جام
یکے جانِ مغموم کو نوشش مدام
فقط برگ گل سے نہ رنگیں ہے یہ
لب لعل شیریں سے شیریں ہے یہ
تعشق کی دی ہیں نے اس طرح داد
کہ جس سے رہے روح فرہاد شاد
کہیں بزم کا اس میں ساماں ہے
کہیں رزم ہے اور میداں ہے
کہیں سحر ہے اور کہیں ہے طلسم
عجب میں نے باندھا ہے اسمیں طلسم
سخن میں مرے آگئی وہ ساحری
کہ گو سالہ ہے اس جگہ سامری
یہ وہ آب شیریں کی ہے سلسبیل
کہ پانی بھرے دیکھ کر رود نیل
کہیں ایسا سرسبز مزرع نہیں
نہیں اس طرح کا مرقع کہیں
کہاں پہنچے اس نقش کو نقش چیں
ثریا و مہ اس کا ہے خوشہ چیں
عجیب ہے یہ افسانہ حیرت فزا
جدھر دیکھو طلسم ہے تصویر کا
یہ تریاق ہے بہر زہر الم !!
یہ ہندوستاں کا ہے باغ ارم
بنایا غرض میں نے یہ بوستاں
کہ ہو باعث فرحت دوستاں
کرے جو کہ اس باغ میرے کی سیر
دعا دے مجھے عاقبت ہو بخیر

آغازِ داستان

راویوں نے یوں روایت کی ہے کہ خطا و ختن کے شہر میں ایک بادشاہ مظفر شاہ نام صاحب عدل اور داد تھا، رعیت تمام اس سے رضامند اور خوش اور آسودہ تھی اور اس بادشاہ کے عصر میں کسو کے دل پر ملال نہ تھا، ہر ایک عیش و عشرت میں بسر لے جاتا تھا کہ دن عید تھا اور رات شب برات تھی۔ لیکن اس بادشاہ صاحب عدل کے اولاد نہ تھی۔ لیل و نہار اس الم میں اس کے گذرتے تھے۔ ایک دم اس فکر سے خالی نہ تھا۔ اتفاقاً ایک روز آرسی ہاتھ میں لے کر اپنے چہرے کو دیکھتا ہے، یکایک موئے سفید داڑھی میں نظر آیا۔ دیکھ کر اول آبدیدہ ہوا۔ بعدہ بے اختیار رویا کہ افسوس عمر آخر ہوئی۔ یعنی پیغام اجل آن پہنچا اور میرے یہاں کوئی وارث تاج و تخت پیدا نہ ہوا۔ کہ اس سے تا قیامت میرا نام رہتا اور نگہبان میرے تاج و تخت کا اور ناموس کا ہوتا۔ اسی فکر میں غم آلود ہو کر باہر آیا اور دربار کیا۔

وزیر امیر اور تمام ارکان دولت اور تمام خورد و کلاں اہل کار باریاب ہوئے ہر ایک

نے بادشاہ کے تئیں بہت فکرمند پایا لیکن کسو کو جرأت نہ ہوئی کہ باعث اس فکر کا بادشاہ سے پوچھے ازبسکہ وزیر کو گردۂ عنایاتِ بادشاہی تھا۔ آداب بجالا کر باعث فکر کا بادشاہ سے پوچھا۔ یک مرتبہ اس بات کے سنتے بادشاہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور ایک آہ سرد دل پر درد سے کھینچی اور اس کے بعد احوال اپنا سب بیان فرمایا اور یوں ارشاد کیا کہ اے وزیر بے نظیر! افضلاتِ خالق دوجہاں سے جس قدر اسباب سلطنت وحشمت کا اور جاہ وجلال کا چاہیے سب موجود ہے کسی نوع سے کمی نہیں لیکن شب وروز اس دردوغم میں اپنے گذرتے ہیں یہ فرماکر بادشاہ نے طرف آسمان کے نظر کی اور یہ شعر زبان پر لایا۔

کر دُور دردوغم کو دل شاد کر الٰہا
فرزند دے کے گھر کو آباد کر الٰہا!

یہ شعر پڑھ کر وزیر کو یوں ارشاد کیا کہ اے وزیر غم خوار اپنے درد کے سوا تیرے میں کسو کو نہیں پاتا پس میں چاہتا ہوں کہ سرِ بوجھ سلطنت تجھے سپرد کر کے ترکِ لباس کریئے اور سیاحی کوہ وصحرا کی اختیار کیجئے۔ شاید کہ جناب الٰہی سے کسو صاحب کمال سے یا اولیا سے ملاقات میسر ہووے اور میں اس سے اپنا اظہار مطلب کروں اور اس کی دعا سے اپنے مقصود کو پہنچوں اور بدستور تختِ بادشاہی پر آکر قائم ہوں۔ اگر خدانخواستہ مطلب نہ ہوا، زنہار نہیں آنے کا۔ تو جان اور یہ سلطنت جانے وزیر یہ سنتے ہی تصدق اور بلا گرداں ہوا اور یہ عرض کی۔

"اے جہاں پناہ! میں بھی اسی درد میں گرفتار ہوں کہ اولاد میرے بھی نہیں۔ پس اس غم میں چاہتا تھا کہ حضرت سے رخصت سیر کی لوں اور ترکِ وزارت کروں۔ چہ جائے کہ عوض حضرت کے بادشاہی کروں۔ حق تعالیٰ حضرت کو تخت سلطنت پر صد و بست سال قائم اور سلامت رکھے امیدوار ہو کر یہ عرض کرتا ہوں۔"

بادشاہ نے ارشاد فرمایا کہ تجھ جیسا خیر خواہ جو حضور میں عرض کرے گا البتہ قبول ہوگی۔ یہ سنتے ہی وزیر تصدق اور قربان ہوا۔ اور عرض کی کہ غلام کے تئیں ایک چالیس دن کی مہلت ہو کہ اس عرصے میں تلاش صاحب کمالوں کی کر کے اظہار مدعا حضور کا اور اپنا کرے۔ امید فضل الٰہی سے قوی ہے کہ مقصد کو پہنچیں۔ اگر خدانخواستہ کوئی صاحب کمال اس جا نہ پہنچا اور کسی سے عقدہ کشائی نہ ہوئی۔ لاچار غلام بھی ہمراہ رکاب سعادت کے سفر اختیار کرے گا۔ بادشاہ نے یہ سن کر وزیر کو چالیس دن کی مہلت دے کر رخصت فرمایا۔

وزیر بادشاہ حضور سے رخصت ہو کر اپنے گھر آیا اور دربار کیا اور جتنے اپنے ارکان تھے اُن سے اظہار ماجرا حضور کا اور اپنا کیا اور یہ کہا کہ اگر تمہارے تئیں خوشنودی حضور کی اور اپنی بہبودی منظور ہے۔ لازمہ بندگی کا یوں ہے کہ کوئی ایسا صاحب کمال اور صاحب کشف وکرامت پیدا کیجئے کہ جس کے باعث عقدہ کشائی ہووے۔ یہ سنتے ہی ایک شخص آداب بجالایا اور یہ عرض کی کہ اسی نواح میں، یہاں سے قریب بست کوس کے مدائن ایک قریہ ہے کہ وہاں ایک درویش خدا رسیدہ رہتا ہے۔ اکثر جو کسی نے اپنا مُدعا اظہار اُن سے کیا ہے بے شک مطلب کو پہنچا ہے۔ اگر وزیر الممالک ابھی تشریف فرما اُن کی بندگی میں ہو کر عرض مدعا کریں امید قوی ہے کہ یہیں اپنے مقصد کو پہنچیں۔ یہ سنتے ہی وزیر بے اختیار خوش ہو کر مُجرائے حضور کے اور ظاہر کرنے اس امر کے سوار ہوا۔ بعد ایک ساعت کے باریاب مجرائے حضور رہا۔ بادشاہ کے تئیں اس کے آنے سے ایک تعجب خاطر میں گذرا کہ وزیر کا آنا اس عرصے میں خالی سبب نہیں۔ غالب کہ کچھ مژدہ خوشی کا لایا ہوگا۔

آخرالامر وزیر تصدق اور بلاگرداں ہوا۔ اور وہ ماجرا اس درویش کا اور تمام اس کے کمالوں کا جو اس شخص سے سُنا تھا تمام عرض کیا اور رخصت طلب اپنے جانے کا اس درویش کے پاس ہوا۔ یکایک بادشاہ اس احوال کو سن کر خوش ہوا اور یوں فرمایا کہ بہتر اس سے کیا ہے کہ ہم بھی چل کر زیارت ایسے اہل اللہ کی کریں اور ان کی برکتوں سے ہم کامیاب مدعا سے ہو دیں وزیر نے عرض کی جو کچھ کہ صلاح دولت ہے۔ سراپا بہتر ہے۔ پس بادشاہ پوشاک فاخرہ اور جوہر بے بہا پہن کر سوار ہوا جو نذر و نیاز واسطے درویش کے لینی تھی لی اور وزیر کو خواصی میں سرفراز کیا اور دل میں یہ کہتا چلا کہ اگر حق سبحانہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے باعث اس درویش کے ہم کو اپنے مقصد دلی پر پہنچا کر فرحت بخشے عجب نہیں ہے۔

عاقبت کار سواری بادشاہ کی جب قریب مدائن کے پہنچی۔ ہاتھی پر سے اتر کر ہوادار پر سوار ہوا۔ اور وزیر پیادہ پا رکاب میں چلا۔ اور سواری کے لوگوں کو ارشاد فرمایا کہ سب یہیں حاضر رہو سوائے وزیر کے کوئی ہمراہ ہمارے نہ آوے۔ لوگ سواری کے ارشاد حضور کا بجالا کر آگے نہ بڑھے وزیر اور بادشاہ تنہا خدمت میں اس درویش کے حاضر ہوئے۔ درویش نے نائب پیغمبر سمجھ کر تعظیم کی اور مصافحہ کیا اور عزت سے نزدیک اپنے بٹھایا۔ یکایک بادشاہ نے چہرے پر اس درویش کے نظر کی۔ سراپا کمال پیشانی پر اس کی نمایاں پایا۔ دل میں یقین کلی ہوا کہ بے شک یہ خدا رسیدہ اور صاحب کمال ہے مقرر ہم اپنے مدعا کو پہنچیں گے۔ اتنے میں فقیر نے بادشاہ سے یوں کہا کہ اے بادشاہ عصر! میرے پاس باعث آنے کا کیا ہے؟ بادشاہ نے عرض کی کہ حضرت روشن ضمیر ہیں احتیاج عرض کی نہیں۔ اس درویش نے بادشاہ سے فرمایا کہ مجھ گدائے سر در کو یہ قدرت اور روشن ضمیری کہاں؟ بادشاہ نے یہ سن کر عرض کی کہ حضرت مقرب اور مقبول درگاہ الٰہی کے ہیں اور مالک دین و دنیا کے ہیں۔ سوائے تمہارے کس سے اظہار مدعا کریں۔ فقیر نے بادشاہ کو بے اختیار مضطر واسطے اپنے مدعا کے پایا اور اپنے کشف سے معلوم کر کے بادشاہ سے فرمایا کہ تمہارے تئیں اور وزیر کے تئیں آرزو فرزند ہونے کی ہے کہ ہماری قسمت میں فرزند ہے کہ نہیں۔

یہ سنتے ہی بادشاہ مسرور ہوا اور عرض کی کہ فی الواقع حضرت صاحب کشف ہیں سوائے اولاد کے ہمیں اور کچھ استدعا نہیں۔ درویش بادشاہ سے یہ مدعا سن کر مراقبے میں گیا۔ بعد ایک ساعت کے سر مراقبے سے اٹھا کر یوں ارشاد کیا۔ "یوں معلوم ہوتا ہے کہ تم دونوں کی تقدیر میں فرزند جناب الٰہی سے بعد بارہ مہینوں کے عطا ہووے گا کہ جن کے باعث سے فرحت تمام تم دونوں کو حاصل ہووے گی اور تمہارے بعد مالک تاج و تخت کا ہووے گا اور ہفت اقلیم اس کے تصرف میں آوے گا اور شجاع ایسا ہوگا کہ جن و پری اُس کے تسخیر ہوں گے لیکن جس وقت کہ بارہ برس کا ہووے گا۔ اُس کے تئیں سفر درپیش آوے گا اور وہ تم سے رخصت چاہے گا۔ لازم ہے تمہارے تئیں کہ اسے رخصت دینا۔ اگرچہ اس کے تئیں اس سفر میں بہت سی خرابیاں پیش آویں گی۔ لیکن بعد از مدت مدید کے کامیاب ہو کر تمہارے پاس آوے گا اس نوع کی باتیں کر کے بادشاہ کی دل جمعی اور تشفی کر کے رخصت کیا۔ اور روپیہ اور اشرفیاں جو بادشاہ اور وزیر نے درویش کے نذر گذرانی تھیں۔ سب فقرا اور مسکینوں اور محتاجوں کو تقسیم کر دیں اور اپنے مصرف میں کچھ نہ لائے۔

عاقبت الامر بادشاہ رخصت ہو کر سوار ہوئے۔ اور رونق افزا دولت سرا کے ہوئے بعد چند روز کے معلوم ہوا کہ زوجۂ بادشاہ حمل سے ہے اور زوجۂ وزیر کے تئیں بھی حمل ہوا ہے۔ یہ معلوم کر کے بادشاہ اور وزیر کے تئیں حد سے زیادہ خوشی ہوئی اور سجدات شکر جناب الٰہی میں بجالائے۔ بعد از پانچ مہینے شادی دودھ دیکھنے کی درپیش آئی۔ حکم اہل کاروں کو واسطے تیاری کے بھیجا اور جابہ جا کے جتنے اہل نشاط تھے، آن کر حاضر ہوئے جس وقت کہ سونے روپے کی آرسی مرصع کار پر دودھ دیکھ چکے مبارک سلامت کی دھوم محل محل میں برپا ہوئی بادشاہ کی ہمشیرہ جو تھی، واسطے اپنے نیگ لینے کے آئیں۔ بادشاہ نے افراطِ خوشی سے خلعت فاخرہ اور جواہر مرصع پہنا کر، سو کشتیاں جواہر کی اور بست ہزار اشرفیاں اور دس لاکھ روپیہ ہمشیرہ کو نیگ میں مرحمت کیں۔ اور ہر ایک اہل نشاط جو مجرا کرتے تھے، لاکھوں روپے اُن کے

تیں انعام فرمائے۔

بعد چندے شادی نو ماسی کی شروع ہوئی۔ بادشاہ نے دائی کے تئیں حضور میں یاد فرما کر سوا لاکھ روپے مرحمت کیے اور ارشاد فرمایا کہ جب تلک شہزادہ تولد ہو شب و روز خدمت میں بیگم صاحبہ کی حاضر رہنا۔ جو کچھ ارشاد حضور سے ہوا تھا بسر و چشم قبول کر کے آداب بجا لائی اور رخصت ہو کر باساز و سرانجام حضرت بیگم کی خدمت میں حاضر رہنے لگی۔ اور رات دن محل میں دھوم عیش و عشرت کی برپا ہوئی۔ جب کہ نو مہینے خیر و عافیت سے پورے ہوئے۔ دائی بجوشی تمام متوجہ واسطے تولد شاہ زادے کے ہوئی اور تیاری گود بھرنے کی ہونے لگی۔

ابیات

جب پیٹ کو لگانے لگی دائی لے کے تیل
ہمشیرہ بولی شہہ کی نہ کر جلدی نہیں یہ کھیل
ہم بھی امیدوار تو ایسے ہی دن کے تھے
دوں گی نہ تیل لگنے نہ تا بھائی نیگ دے

یہ خبر حضور میں پہنچی کہ ہمشیرہ جو حضرت کی ہیں واسطے نیگ کے جھگڑ رہی ہیں۔ اور دائی کو اپنی بھاوج کے پیٹ میں تیل لگانے نہیں دیتیں۔ بادشاہ نے یہ سن کر ہزار دس روپے اور اشرفیاں واسطے ہمشیرہ کے نیگ کے دینے کو طلب کیں اور فرمایا "اپنے کرم سے اللہ نے یہ دن دکھائے کہ ہمشیرہ واسطے نیگ کے مجھ سے جھگڑیں"۔ القصہ جو کچھ کہ نیگ دینا تھا، رضامند کر کے دیا۔ اور بادشاہ نے وزیر کے تئیں طلب فرما کر یہ ارشاد کیا کہ پنگھوڑا طلائی مرصع کار اور چھپر کھٹ طلائی مرصع اور جھومر مروارید کا اور جوڑی پوشاک کی ہر ایک طرح کی جلد تیار کر کے ارسال محل معلی میں کرو۔ وزیر یہ سنتے ہی آداب بجا لایا اور بہ نہایت خوشی سے مطابق حکم حضور کے رخصت ہو کر در پے تیاری کے ہوا۔ جتنے اہل حرفہ تھے، مثل مرصع کار و سنار و نگینہ ساز اور نقاش اور خیاط غرض کہ جتنے کارخانے والے آن کر حاضر ہوئے اور متوجہ اپنے کام کے ہو کر در پے تیاری کے ہوئے۔

بعد کئی دن کے معلوم ہوا کہ بادشاہ زادی کے تئیں درد زہ شروع ہوا۔ یہ خبر بادشاہ کو پہنچی۔ اس خبر کے سنتے ہی ایک مکان منقش طلائی جس کی چھتیں زرنگار مرصع کار اور دروازے زمرد و یاقوت کے اور پردے زربفت کے اور چوبیں سونے روپے کی تھیں اس مکان کے صحن میں ایک حوض زمردی گرد اس کے نہر لعل کی۔ اور یاقوت کی اور سنگ فوارہ اور وہ حوض اور نہریں لب ریز بید مشک اور گلاب سے تھیں بادشاہ نے بادشاہ زادی کے تئیں واسطے تولد کے مرحمت فرمایا۔ بادشاہ زادی حسب الحکم حضور کے بہ سرور تمام داخل اس مکان [illegible] کے ہوئی۔

بادشاہ پوشاک شاہانہ مع جواہر بے بہا پہن کر دیوان خاص میں رونق افزا سریر سلطنت پر ہوئے۔ وزیر اور امرایان عظام اور ارکان دولت کے تئیں یاد فرمایا اور جتنے اہل نشاط مثل کنچنیاں اور ڈومنیاں لولیاں شوخ و شنگ مع ساز نشاط جوڑے تمامی اور تاس اور بادلے کے پہنے ہوئے آن کر حاضر ہوئے اور منتظر حکم کے رہے اور حکم حضور کا داروغہ نوبت خانہ یعنی میر نوبت کو پہنچا کہ نقار خانے میں نقارچیوں کو حکم پہنچاؤ کہ تیاری نوبت شادیانے کی کریں۔ یہ حکم پہنچتے ہی نقارچیوں نے سونے روپے کی چوبیں ہاتھوں میں لے اور نقاروں کو سینگ ساتھ منتظر احکام نوبت بجانے کے رہے اور شہنا نواز اور نفیری بجانے والے بھی منتظر احکام کے رہے اور ادھر محلی حضور سے دم بدم محل معلی میں واسطے خبر کے جاتا تھا۔

یک بیک عرضی ناظر کی مع نذر مبارک باد تولد شاہ زادہ بلند اقبال کی محلی نے گذرانی اور عرض کی کہ الحمد للہ وارث تاج و تخت شاہ زادہ بلند اقبال تولد ہوا۔ حق سبحانہ تعالیٰ زیر سایہ بلند پایہ حضور تا صد و بیست سال بہ ناز و نعم و بہ جاہ و جلال سلامت رکھے۔

بادشاہ نے یہ خوش خبری سنتے ہی ملبوس خاص مع جواہر ناظر کو مرحمت فرمایا۔ ناظر نے خلعت ملبوس پہن کر نذر گذرانی اور بعد اس کے بادشاہ نے جانماز خانے کے داروغے کو طلب فرما کر جانماز اور تسبیح مروارید منگوائی۔ تسبیح خانے میں بچھوا کر دوگانہ اور سجدہ شکر ادا کیا اور حکم اہل نشاط کو فرمایا کہ وہ متوجہ سماع اور رقص کے ہوئے۔

فرد

اہل نشاط ہر سو گانے لگے اڑانا
اور گاتے اک طرف کو ملکر سبھی شہانا

اور نقار خانے میں نوبت بجنی شروع ہوئی اور جتنے بندگان حضور تھے ہر ایک نے نذر تہنیت کی گذرانی۔ اور بادشاہ نے وزیر کو اور تمام ارکان دولت کو جتنے خورد و کلاں تھے اور اہل کار اور کارخانے والے تھے ہر ایک کے تئیں موافق مراتب کے خلعت عطا فرمائے۔

بعد اس کے محلی نے آن کر حضور میں عرض کی کہ حضرت ہمشیرہ بیگم واسطے نیگ کے عرض کرتی ہیں اور نال کاٹنے نہیں دیتی ہیں۔ بادشاہ نے یہ سن کر سوا نیگ کے سند بخارا اور سمرقند کی جاگیریں عطا فرمائیں اور خراج یک سالہ شہر اصفہان کا مع کشتی ہائے جواہر گراں بہا اور پارچہ ہائے پوشاک کی بے حد و بے شمار عنایت کے۔ محل معلّے میں اہل طرب جتنے تھے بہ دستور متوجہ راگ و رنگ اور رقص اور سماع کے ہوئے اور آواز مبارک سلامت کی زمین سے لے فلک تک بلند ہوئی۔ بادشاہ نے مبشر الملک منجم کو بلا کر یوں ارشاد کیا کہ تقویم طالع موافق ستاروں کے درست کر کے نام شہزادے کا عرض کر کے۔ چھٹی کا دن مقرر کیا۔ بادشاہ نے منجم کو خلعت سے سرفراز کر کے ایک جاگیر سیر حاصل مرحمت فرما کر رخصت کیا اور حضرت خود بدولت داخل محل معلی ہوئے۔ وزیر اور ارکان دولت برآمد ہو کر متوجہ اپنے گھروں کے ہوئے اور بادشاہ زادے کو پنگھوڑا طلائی مرصع کار میں ڈال کر جھلانے لگے۔

دوھرہ پالنا

جڑے جواہر پالنا   ریشم ڈور لگائے
جھولت پیارو پوت ہے   مانگو دیکھ سہائے

ایک مرتبہ ہرکارے نے وزیر الممالک نیک اختر کے تئیں اثنائے راہ میں خبر تولد وزیرزادے کی عرض کی۔ وزیر اس خبر کو سنتے ہی مثل گل کے شگفتہ ہو کر پھر حضور معلی میں روانہ ہوا اور ادھر وہیں حضور والا میں پرچہ اخبار کا گذرا کہ وزیر الممالک حضور والا میں دوبارہ آتے ہیں۔ بادشاہ کے تئیں تعجب اس خلاف معمول کا ہوا۔ اور وہیں ایک قدم میں خبر گذری کہ وزیر دیوان خاص میں حاضر ہے۔ از بسکہ بادشاہ کے تئیں خاطر وزیر کی سب سے زیادہ تھی۔ برخلاف معمول بادشاہ باہر دیوان خاص میں دوبارہ تشریف لا کر رونق افزا کرسی زریں پر ہوئے۔ وزیر نے سلام گاہ میں آ کر مجرا کیا اور ایک ہزار و ایک اشرفی نذر گذرانی۔ بادشاہ نے استفسار اس نذر کا دوبارہ کیا۔ وزیر نے عرض کی کہ فضل ایزد متعال سے خانہ زاد تولد ہوا۔

بادشاہ نے یہ سنتے ہی وزیر کو خلعت عطا فرمایا اور نام وزیر زادے کا اختر سعید رکھ کر وزیر کو رخصت کیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ اختر سعید اور بادشاہ زادہ محل معلی میں ایک جا پرورش پاویں۔ نیک اختر وزیر احکام حضور والا بہ سر و چشم قبول کر کے رخصت ہوا۔ اور اپنے گھر آیا۔ اور دیوان کر کے اہل نشاط اور اہل طرب کو یاد کیا۔ سب آن حاضر ہوئے۔ راگ و رنگ سے مجلس

گرم ہوئی اور جتنے خورد و کلاں اور صغیر و کبیر تھے اور جو متوسل وزیر کے تھے ان سبھوں نے نذریں تہنیت کی گذرانیاں۔ بعد اس کے داخل محل اپنے کے ہو کر مشغول راگ و رنگ کا ہوا۔ اور جو کچھ اسباب چھٹی کا جو مقرر کیا تھا آن پہنچا۔ خان ساماں نے اسباب چھٹی کا تمام و کمال بادشاہ کی نظر سے گذران کر داخل محل معلی کے کیا۔ شادی چھٹی کی جس طور سے چاہیئے تھی شروع ہوئی اور ادھر تیاری بادشاہ زادی کی اور بادشاہ زادے نونہال کی عمل میں آئی چوکی صندل کی بچھا کر غسل چھٹی کا بادشاہ زادی نے کیا اور خلعت فاخرہ گراں بہا معہ جواہر بیش قیمت کے ہر ایک رقم اس کا خراج یک سالہ کشور چین کا تھا۔ بادشاہ زادی نے پہنا۔ بادشاہ زادے کے تئیں بھی غسل چھٹی کا دے کر پوشاک دیبائے چینی و رومی کہ اس کی قیمت سات لاکھ اور بیس ہزار روپے تھی، پہنائی اور جواہر مثل لڑی و کلغی و نورتن کہ ہر ایک عدد اپنی قیمت میں بست بست لاکھ روپے کا تھا۔ زیب جسم بادشاہ زادے کا ہوا۔ گود بادشاہ زادی کی میوہ جات اقسام اقسام کے بھری۔

بعد اس کے بادشاہ زادے کو گود میں لیکر سہرا موتیوں کا اور مقیش کا باندھ کر متوجہ صحن دولت سرا کے، واسطے تارے دیکھنے ہوئی۔ کئی ایک مغلانیاں کلام اللہ اور کئی ایک بیگمات موافق رسم کے تلوار برہنہ کی ہوئی سر پر ہمراہ تھیں، سہا پانچ ہزار ارباب نشاط کنچنیاں اور ڈومنیاں شہنائی مبارک بادی گاتیں ہمراہ ہوئیں اور جتنی بیگمات بادشاہ اور کنیزیں بادشاہ زادی کی تھیں گل ہائے زر و سیم نثار کرتیں ہمراہ ہوئیں۔

اس قدر پھول سونے روپے کے صحن دولت سرا میں پھیلے تھے کہ تمام صحن رشک باغ ارم ہوا تھا۔ اور ادھر بادشاہ تیر و کمان ہاتھ میں لے کر چھپر کھٹ مرصع کار پر ایستادہ ہو کر کمال خوش وقتی سے متوجہ مرگ مارنے کے ہوئے کمانے میں ہمشیرہ بیگم نے اگر طلب اپنا نیاز کیا۔ بادشاہ نے بسرور تمام موافق خواہش ہمشیرہ بیگم کے بلکہ زیادہ خواہش سے بے حد بے عدد مرحمت فرمایا۔ اور بادشاہ زادی تارے سب ساعت سعد دیکھ کر رونق افزا چھپر کھٹ ہوئی۔ بادشاہ چھپر کھٹ سے اتر متوجہ خواب گاہ کے ہوئے اور تمام محل میں سوائے بادشاہ اور بادشاہ زادی کے ہر ایک بیگمات کے مزہ بمزہ طائفے ارباب طرب کے گرم رقص ہوئے۔ غرض چالیس رات اور دن کیا اندرون محل اور کیا بیرون محل، صحبت راگ و رنگ کی تھی بلکہ تمام ساکنان دارالسلطنت میں بسبب تولد شاہ زادے کے دن عید تھا اور رات شب برات تھی۔

القصہ بعد چھٹی کے نیک اختر وزیر نے اختر سعید وزیر زادے کے تئیں مع دائیاں اور مغلانیاں اور دوادائیں اور انگائیں اور پرستاریں اور کنیزیں، غرض کہ پانچ سے دس ہا اسامیاں ہمراہ کر کے حسب الحکم حضور کے داخل محل معلی کے کیا اور آپ وزیر آن کر حضور میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے وزیر کو خلعت دے کر رخصت کیا اور جتنی آسامیاں اختر سعید وزیر زادے کے آئی تھیں ہر ایک رسم کی شرح منگا کر درماہہ دستخط خاص سے مقرر کر کے پانچ سو خوان طعام کے دونوں وقت ان آسامیوں کی خاطر مقرر فرمائے اور وزیر کے یہاں سے بھی بدستور درماہے ان کے مع خوان ہائے طعام مقرر تھے اور بادشاہ زادہ شجاع الشمس اور وزیر زادہ اختر سعید دونوں اس مکان روح افزا میں پرورش پائیں گے۔

داستان شجاع الشمس کی

ایک روز شہزادہ شجاع الشمس سے وزیر زادے اختر سعید نے عرض کی کہ حضرت اگر آج لب دریا پر تیاری سیر چاندنی کی بھجوا کر سیر کیجیے عین صلاح دولت ہے کہ اس سیر سے فرحت دو چند حاصل ہوگی۔ شہزادے نے اختر سعید سے فرمایا۔ کہ حضور والا میں میری طرف سے بعد آداب کورنش عرض کر کے پروانگی سیر کی لا۔ وزیر زادہ رخصت ہو کر باریاب مجرائے حضور ہوا۔ جو التماس شہزادے نے کی تھی عرض کی۔ بادشاہ سنتے ہی بے اختیار خوش ہوا۔ اور وزیر کے تئیں بلا کر ارشاد فرمایا کہ آج مرشد زادہ آفاق شجاع الشمس کا دل خواہاں چاندنی کی سیر کا ہے پس بہتر یوں ہے کہ تیاری چاندنی کی سیر کی دریا پہ بھجواؤ۔ وزیر یہ سن کر رخصت ہوا۔ اور ادھر اختر سعید حضور سے رخصت ہو کر بادشاہ زادے کے پاس آیا اور خوش خبری عنایات اور تفضلات حضور کی دی۔ بادشاہ زادہ یہ سن کر منہ طرف بارگاہ والا جاہ حضور کی کر کے آداب بجا لایا اور اپنے ندیموں سے علی الخصوص اختر سعید سے یہ فرمایا کہ یہ کب دن ڈھلے اور شام ہو کر سوار ہو جیئے اور آج تمام رات دریا میں کشتیوں پر سوار ہو کر چاندنی کی کیجیے۔

دو گھڑی دن باقی رہا تھا۔ بلاوا حضور کا آیا کہ حضرت خود بدولت نے ارشاد فرمایا ہے کہ وزیر نے تیاری سیر چاندنی کی دریا میں مطابق حضور کے حکم کے کی، توقف نہ کیجیے اور سوار ہو جیئے۔ شہزادہ شجاع الشمس نے پوشاک بادلے کی مع جواہر یاد فرمایا اور جسم پر آراستہ کیا اور محل معلی میں باریاب مجرائے حضور ہوا اور رخصت سوار ہونے کی چاہی۔ بادشاہ نے دیں گلے لگایا، سر و چشم پر بوسے دیئے اور رخصت فرمایا۔ شہزادہ محل سے برآمد ہوا۔ اختر سعید نے مجرا کیا اور عرض کی کہ پیر و مرشدا عملہ سواری کا تیار ہے تشریف فرما ہو جیئے۔ بادشاہ زادے نے فیل سفید پر سوار ہو کر اختر سعید کے تئیں خواصی میں بٹھلایا اور متوجہ دریا کا ہوا۔ پہرے کے پہرے اور غٹ کے غٹ سواروں کے گرد و پیش روانہ ہوئے اور ہزاروں نقیب چوب ہائے طلا و نقرہ ہاتھوں میں لئے ہوئے پیش پیش سواری کے اہتمام بر دستور شاہانہ سواری کرتے چلے اور اختر سعید بادشاہ زادے پر سے پھول سونے اور چاندی کے لٹاتا ہوا جاتا تھا۔ سواری دریا پر پہنچی۔ دیکھتے کیا ہیں کہ وزیر نے ایک مکان عجب صورت دیکھ کر وہاں نقرئی چوبوں والے خیمے نصب کر رکھے تھے؛

یہاں تک عجائب القصص کی داستان شاہ عالم ثانی کی اپنی زبان میں لکھی گئی۔ یعنی وہ زبان کہ جس میں شاہ عالم ثانی نے بحالت معذوری بینائی اپنے میر منشی سے لکھوائی اس کے آگے قصہ اسی ڈھنگ سے چلتا ہے جس طرح کہ اس زمانے کے اور اس سے پہلے کے دور کی کہانیاں شروع ہو کر آگے بڑھتی تھیں۔ یعنی وہی واقعہ یہاں بھی وقوع پذیر ہوتا ہے کہ شہزادہ رات کو خواب میں ایک قصر بلوریں کو دیکھتا ہے جس میں کہ ایک شہزادی پوشاک فاخرہ پہنے چہل قدمی کر رہی ہے شہزادہ اس کے حسن کی تاب نہ لا کر غش کھا کر گر پڑتا ہے۔ صبح وزیر زادے کو سب ماجرا سناتا ہے شاہ عالم ثانی نے اسے نظم میں یوں قلمبند کیا ہے۔

بیان کیا تجھ سے کروں اختر سعید   خواب میں مجھ پر ہوا ظلم شدید
آہ بے تابی ہے پیدا سر بسر   کاش نیند آتی نہ مجھ کو تا سحر
تو جو پوچھے ہے تو کرتا ہوں بیاں   اک پری دو خواب میں جلوہ کناں
جب سے آیا ہے نظر میرے تئیں   محویت ہے سر بسر میرے تئیں
وہ نہ آوے جب تلک اختر سعید   زیست اپنی سر بسر ہے ناپدید

اس کے بعد یہ دو شعر پڑھے۔

جی میں آتا ہے کروں چاک گریباں اپنا
جاؤں صحرا کو نکل سر کروں عریاں اپنا
جو کوئی پوچھے کہ کیا گذری ہے دوانے تجھ پر
ہنس کے رو دوں، نہ کہوں حال پریشاں اپنا

وزیر کا بیٹا بادشاہ کو جا کر شہزادے کا حال بیان کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بادشاہ روم کی بیٹی ملکہ زر نگار تھی جو شہزادے کے خواب میں آئی پس بادشاہ نے ملک روم کی طرف سوار روانہ کیا۔ بادشاہ روم نے خط پڑھا۔ اس خط میں شجاع الشمس کے لئے ملکہ زر نگار کا رشتہ مانگا گیا تھا۔ شہنشاہ روم نے اپنی بیٹی زر نگار سے مشورہ کیا۔ زر نگار نے صاف انکار کر دیا۔ کہ وہ یہ شادی ہرگز نہیں کرے گی اور آئندہ کسی ملک کے بادشاہ کی طرف سے اس قسم کا کوئی خط آئے تو اسے میری طرف سے مسترد کر دیا جائے۔

یہ پیغام شہزادہ شجاع الشمس کے گوش گذار ہوا تو وہاں غم کی فضا چھا گئی آخر شہزادہ وزیر زادے کو ساتھ لیکر ایک تاجر کا بھیس بدل کر ملک روم کی طرف روانہ ہوتا ہے ۔۔۔

کہانی کا انجام یہ ہے کہ شہزادہ شجاع الشمس ملکہ روزنگار کو بیاہ کر واپس آتا ہے لیکن یہ نسخہ پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں ہے وہ اچانک اس مقام پر جاکر ختم ہو جاتا ہے کہ جہاں تیز رو پری زاد شاہ پری سے رخصت ہوکر اور خط لیکر شہزادہ شجاع الشمس کے پاس جاتی ہے وہ خط پڑھتا ہے اور پھر بڑے ساز و سامان اور تحفے تحائف کے ساتھ ملک روم کی طرف روانہ ہوتا ہے۔

عجائب القصص کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں جزئیات نگاری اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے اور کہانی پورے واقعات چھوٹی سے چھوٹی تفصیل اور پورے شاہی ادب و آداب کے ساتھ آگے بڑھتی ہے اس کے مطالعہ سے ہم شاہ عالم ثانی کے عہد کے مکمل حالات اور قلعئہ معلی کے رسم و رواج اور شاہی محل کی تقریبات سے آگاہ ہوتے ہیں ڈاکٹر سید عبداللہ اس کتاب کے دیباچے میں لکھتے ہیں۔

"مجھے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاہ عالم نے 'بوستان خیال' (فارسی) کو نمونہ بنایا۔ یہ ان کی دل پسند کتاب معلوم ہوتی ہے۔ عجائب القصص میں جزئیات نگاری کا انداز کچھ ایسا ہی ہے۔ محلات اور باغوں کے نقشے خاص مفصل ہیں، شاہی محل کی تقریبات، عہدے داروں کی تفصیل، اور دیگر آداب و رسوم کی اچھی خاصی تصویر اس کتاب سے تیار ہو سکتی ہے۔ مغلوں کے حرم میں جو ہندو اثرات موجود تھے محتاجِ ثبوت نہیں۔ شاہ عالم لڑائی کے نقشے بیان نہیں کرتے۔ البتہ باغ و بزم کی تصویریں بھرپور ہیں۔ شاہ عالم نے اپنے کرداروں کی جو مہم آزمائی دکھائی ہے اس میں بھی ضعف کے آثار ہیں۔ شاہ عالم کے اس قصّے سے اُن کی مذہبی معلومات کا بھی حال معلوم ہوتا ہے اردو کی دوسری داستانوں میں خصوصاً طلسم ہوش ربا میں مصنفوں نے دوسرے علوم کی مہارت کا مظاہرہ کیا ہے شاہ عالم دینی امور سے خاصے باخبر ہیں۔"

ڈاکٹر سید عبدالرشید
از۔ دیباچہ عجائب القصص

میر امّن کی باغ و بہار

میر امّن دہلوی

میر امن اپنے بارے میں باغ و بہار کے دیباچے میں خود لکھتے ہیں" میرے بزرگ ہمایوں بادشاہ کے عہد سے ہر ایک بادشاہ کی رکاب میں پشت بہ پشت جانفشانی بجا لاتے رہے اور وہ بھی پرورش کی نظر سے قدر دانی جتنی چاہیئے فرماتے رہے۔ جاگیر و منصب اور خدمات کی عنایات سے سرفراز کر کے مالا مال اور نہال کر دیا۔ اور "خانہ زاد موروثی و منصبدار قدیمی" زبان مبارک سے فرمایا چنانچہ یہ لقب بادشاہی دفتر میں داخل ہوا۔ جب ایسے گھر کی (کہ سارے گھر اسی کے سبب آباد تھے) یہ نوبت پہنچی کہ ظاہر ہے۔ عیاں راچہ بیاں۔ تب سورج مل جاٹ نے جاگیر کو ضبط کر لیا۔ احمد شاہ درانی نے گھربار تاراج کیا۔ ایسی ایسی تباہی کھا کر ایسے شہر سے (کہ وطن اور جنم بھوم میرا ہے اور آنول نال وہیں گڑا ہے) جلاوطن ہوا۔ اور ایسا جہاز کہ جس کا ناخدا بادشاہ تھا، غارت ہوا۔ میں بے کسی کے سمندر میں غوطے کھانے لگا۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہے کتنے برس بلدہ عظیم آباد میں دم لیا۔ کچھ بنی۔ کچھ بگڑی۔ آخر وہاں سے بھی پاؤں اکھڑے روزگار نے موافقت نہ کی۔ عیال و اطفال کو چھوڑ کر تن تنہا کشتی پر سوار ہوا۔ اشرف البلاد کلکتہ میں آب و دانہ کے زور سے آپہنچا۔ چندے بیکاری میں گذری۔ اتفاقاً نواب دلاور جنگ نے بلوا کر اپنے چھوٹے بھائی میر محمد کاظم خان کی اتالیقی کے واسطے مقرر کیا۔ قریب دو سال کے وہاں رہنا ہوا۔ لیکن نباہ اپنا نہ دیکھا۔ تب منشی میر بہادر علی جی کے وسیلہ سے حضور تک جان گل گرسٹ صاحب بہادر دام اقبالہٗ کے رسائی ہوئی۔ بارے طالع کی مدد سے ایسے جواں مرد کا دامن ہاتھ لگا ہے۔ چاہیئے کہ دن کچھ بھلے آویں۔ نہیں تو یہ بھی غنیمت ہے کہ ایک ٹکڑا کھا کر پاؤں پھیلا کر سو رہتا ہوں اور گھر میں دس آدمی چھوٹے بڑے پرورش پاکر دعا اس قدر دان کو کرتے ہیں۔ خدا قبول کرے۔"

میر امن کا اصل نام میر امان تھا۔ اور امن تخلص کرتے تھے مشہور وہ میر امّن کے نام سے ہوئے۔ شروع کے نامساعد حالات سے گذر کر وہ فورٹ ولیم کالج میں ملازم ہو گئے ان سے پہلے وہاں میر بہادر علی حسینی میر منشی تھے۔ یہ میر امن کے دوست تھے اور انہی کی وساطت سے میر امن کو وہاں ملازمت ملی۔ یہاں جان گل کرائسٹ نے انہیں ۱۸۰۱ء میں قصہ چہار درویش کی سلیس اردو میں لکھنے پر مامور کیا۔ میر امن نے دوسری کتابیں بھی تالیف کیں جن میں انوار سہیلی کا ترجمہ "گنج خوبی" بھی ہے۔ لیکن اس کتاب کو شہرت نصیب نہ ہو سکی۔ اس سے پہلے میر عطا حسین تحسین نے قصہ چہار درویش کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ مگر اس ترجمے میں فارسی اور عربی کے الفاظ کی کثرت تھی جس کی وجہ سے وہ مقبول عام کا درجہ حاصل نہ کر سکا۔ میر امّن نے اس کتاب کا نہایت سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں ترجمہ کیا۔ ڈاکٹر اعجاز حسین ایم اے ڈی لٹ لکھتے ہیں۔

"اس عہد کے سب سے ممتاز مصنف میر امّن دہلوی ہیں اور ان کا مشہور کارنامہ "باغ و بہار" ہے جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ میر امّن کو زبان پر پوری قدرت حاصل ہے۔ میر امن نے اس کتاب کو فورٹ ولیم کالج میں لکھنا شروع کیا۔ اور اس خوبی کے ساتھ لکھا کہ عوام اور خواص دونوں سے قبول عام کی سند حاصل کی لوگوں کے جذبات حفظ مراتب کے ساتھ اس طریقہ پر ادا کئے کہ عورت اور مرد، نوکر اور آقا جس کا ذکر آیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے سامنے گفتگو کر رہے ہیں۔ جہاں کہیں فارسی یا سنسکرت کے لفظ آ گئے ہیں۔ وہ بجائے ناگوار معلوم ہونے کے دلکش معلوم ہوتے ہیں۔ یہ ضرور ۔ ہے کہ میر امّن نے کہیں کہیں ایسے لفظ بھی استعمال کئے ہیں جو لغت کے اعتبار سے نامناسب ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ عوام کی زبان پر رائج تھے۔ لہٰذا انہوں نے اردو ہر دل عزیز بنانے کے لئے اس بات کو روا رکھا۔"

ڈاکٹر اعجاز حسین ڈی لٹ
"مختصر تاریخ ادب اردو"

باغ و بہار پہلی بار ۱۸۰۲ء میں شائع ہوئی۔ باغ و بہار اس کا تاریخی نام ہے اس سے سن اشاعت ۱۲۱۷ھ نکلتا ہے۔ میر امّن نے اس کہانی کو فارسی سے ترجمہ کیا۔ مگر ڈاکٹر عبدالحق صاحب نے ثابت کیا ہے کہ میر امن نے باغ و بہار کو چہار درویش سے ترجمہ نہیں کیا۔ بلکہ تحسین کی نو طرز مرصع کو سامنے رکھ کر لکھا ہے۔ حامد حسن قادری اپنی کتاب "داستان تاریخ اردو" میں لکھتے ہیں۔

"اسی قصّے کو اسی سال یعنی ۱۲۱۷ھ میں ایک اور شخص محمد عوض زرّین نے لکھا ہے۔ اس نے قصّہ چہار درویش کو پہلے فارسی میں لکھ کر راجہ رام دین برادر راجہ سیتل پرشاد کو دکھایا اور راجہ کی فرمائش پر پھر اس کو اردو میں لکھا۔ عجب بات ہے کہ زرّین نے تحسین کی کتاب کے دیکھنے کا ذکر تک نہیں کیا۔ لیکن نام وہی تحسین والا رکھا ہے یعنی نو طرز مرصع۔ اور عجیب تر یہ ہے کہ زرین کو میر امّن کی کتاب کی خبر نہیں لیکن اس نے تاریخ تصنیف میر امّن والی نکالی ہے۔ یعنی

باغ وبہار۔ دیباچہ میں لکھتا ہے۔ ؎

بناکر یہ گلدستۂ روزگار   لکھی اس کی تاریخ باغ وبہار

محمد عوض زرین نے وہی چار درویشوں کے قصّے لکھے ہیں۔ لیکن بہت مختصر قافیہ پیمائی کی ہے۔ عبارت بالکل سادہ ہے کوئی لطف اور کوئی خصوصیت ان دونوں کتابوں کے مقابلے میں نہیں ہے البتہ کتاب کے اندر جابجا بلکہ اکثر صفحوں میں دو دو چار چار شعر لکھے ہیں۔ جو مثنوی کی طرز میں ایک ہی بحر میں ہیں اور بیان داستان کا جزو ہیں۔

حامد حسن قادری

”داستان تاریخ اردو“

اس کتاب کے بارے میں فرانسیسی مستشرق گارساں دتاسی لکھتا ہے، باغ وبہار کے پڑھتے وقت آپ بہت مفید اور کارآمد بات یہ پائیں گے کہ ان قصّوں میں ہر صفحہ پر آپ کو قومی خصوصیات سے متعلق ایسی باتیں ملیں گی جو آپ کو اصل ہندوستان اور خاص کر اسلامی ہندوستان کے سمجھنے میں بہت کارآمد ہوں گی۔

باغ وبہار کیا ہے؟

اس کتاب میں ملک قسطنطنیہ کے شہنشاہ آزاد بخت کی داستان رقم کی گئی ہے یہ شہنشاہ بہت بڑی مملکت کا شہنشاہ تھا مگر شومئ تقدیر کہ بادشاہ کے ہاں کوئی اولاد نرینہ نہ تھی وہ اس وجہ سے دل برداشتہ ہوا کہ ایک روز اس نے اپنا شاہی محل چھوڑا اور ایک جگہ پر بیٹھ کر اللہ اللہ کرنے لگا۔ خرد افروز اس بادشاہ کے وزیر کا نام تھا۔ بادشاہ کے امور سلطنت سے علیٰحدہ ہونے کے بعد نظم ونسق تباہ ہو گیا۔ جب حالت زیادہ خراب ہونے لگی تو وزیر نے جاکر بادشاہ کو سمجھایا کہ آپ امور سلطنت سے غافل نہ ہوں۔ رعایا آپ سے پیار کرتی ہے۔ اور وہ آپ کو پھر سے تخت پر جلوہ فگن دیکھنا چاہتی ہے۔ وہ آپ کی عدل نوازی انصاف پسندی، غربا پروری اور ہمدردیوں کی طلب گار ہے۔ وزیر کی نصیحت کا بادشاہ پر شدید اثر ہوا۔ اور وہ سلطنت کے امور کی دیکھ بھال کرنے لگا۔ اس کے ساتھ ساتھ بادشاہ ہر رات اُٹھ کر باہر ویرانے میں جاتا اور خدا کے حضور میں بیٹے کی ولادت کے لئے دعا کرتا۔ ایک رات بادشاہ قریبی قبرستان میں جاکر خدا کے حضور دعا کرنے لگا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہاں چار درویش بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ بادشاہ ایک جگہ جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گیا اور ان کی باتیں سننے لگا۔ ہر درویش نے ایک ایک کہانی بیان کی۔ ان چار کہانیوں کو قصّہ چہار درویش یا باغ و بہار کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اب ہم مختصراً ان چاروں کہانیوں کا خلاصہ میر امّن ہی کی کتاب سے لے کر آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ اس اختصار سے پلاٹ اور کردار اور واقعہ نگاری کو کہیں ضعف نہیں پہنچایا گیا۔

پہلے درویش کی سیر

اے یاراں! میری پیدائش اور وطن بزرگوں کا ملک یمن ہے والد اس عاجز کا ملک التجار خواجہ احمد نام بڑا سوداگر تھا۔ اس وقت میں کوئی مہاجن یا بیوپاری اُن کے برابر نہ تھا۔ اکثر شہروں میں کوٹھیاں اور گماشتے خرید وفروخت کے واسطے مقرر تھے اور لاکھوں روپے نقد اور جنس ملک ملک کی، گھر میں موجود تھی۔ ان کے یہاں دو بچے پیدا ہوئے۔ ایک تو فقیر جو کفنی پہنے ہوئے مرشدوں کی حضوری میں حاضر اور بولتا ہے اور دوسری ایک بہن جس کو قبلہ گاہ نے اپنے جیتے جی اور شہر کے سوداگر بچے سے شادی کر دی تھی۔ وہ اپنی سسرال میں رہتی تھی۔ غرض جس کے گھر میں اتنی دولت اور ایک لڑکا ہو۔ اس کے لاڈ پیار کا کیا ٹھکانا ہے؟ مجھ فقیر نے بڑے چاؤ سے ماں باپ کے سائے میں پرورش پائی۔ اور پڑھنا لکھنا، سپاہ گری کا کسب فن، سوداگری کا بھی کھاتہ، روزنامہ سیکھنے لگا۔ چودہ برس تک نہایت خوشی اور بے فکری میں گذری۔ کچھ دنیا کا اندیشہ دل میں نہ آیا یک بہ یک ایک ہی سال میں والدین فضائے الٰہی سے مرگئے۔

عجیب طرح کا غم ہوا جس کا بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ایک بارگی یتیم ہو گیا کوئی سر پر بڑا بوڑھا نہ رہا۔ اس مصیبت ناگہانی سے رات دن رویا کرتا کھانا پینا سب چھٹ گیا۔ چالیس دن جوں توں کر کے کئے۔ چہلم میں اپنے بیگانے، چھوٹے بڑے جمع ہوئے۔ جب فاتحہ خوانی سے فارغ ہوئے سب نے فقیر کو پگڑی بندھوائی اور سمجھایا: ”دنیا میں سب کے ماں باپ مرتے آئے ہیں اور اپنے تئیں بھی ایک روز مرنا ہے۔ بس صبر کرو اپنے گھر کو دیکھو اب باپ کی جگہ تم سردار ہوئے؟ گماشتے نوکر چاکر جتنے تھے ان حاضر ہوئے نذریں دیں اور بولے۔ کوٹھی نقد وجنس کی اپنی نظر مبارک سے دیکھ لیجئے۔ ایک بارگی جو اس دولت بے انتہا پر نظر پڑی آنکھیں کھل گئیں۔ دیوان خانے کی تیاری کا حکم کیا فراشوں نے فرش فروش بچھا کر چھت، پردے، چلونیں تکلف کی لگا دیں اور اچھے اچھے خدمت گار ربط اور نوکر رکھے۔ سرکار سے زرق برق کی پوشاکیں بنوادیں۔ فقیر مسند پر تکیہ لگا کر بیٹھا۔ ویسے ہی آدمی اغنڈے بھانکڑے، مفت بر کھانے پینے والے، جھوٹے خوشامدی آکر آشنا ہوئے اور مصاحب بنے۔ ان سے آٹھ پہر صحبت رہنے لگی۔ کہیں کی باتیں اور واہی تباہی ادھر ادھر کی کرتے اور کہتے اس جوانی کے عالم میں کشمیلی کی شراب یا گل کھنچوائے نازنین معشوقوں کو بلا کر ان کے ساتھ پیجئے اور عیش کیجئے۔“

غرض آدمی کا شیطان آدمی ہوتا ہے۔ ہر دم کے کہنے سننے سے اپنا بھی مزاج بہک گیا شراب، ناچ اور جوئے کا چرچا شروع ہوا۔ پھر تو نوبت یہ پہنچی کہ سوداگری بھول کر تماش بینی کا اور دینے لینے کا سودا ہوا۔ اپنے نوکر اور رفیقوں نے جب یہ غفلت دیکھی، جو جس کے ہاتھ پڑا الگ کیا۔ گویا لوٹ مچا دی۔ کچھ خبر نہ تھی، کتنا روپیہ خرچ ہوتا ہے اور کہاں سے آتا ہے اور کدھر جاتا۔ مال مفت دل بے رحم، اس فضول خرچی کے آگے اگر گنج قارون کا ہوتا تو وہ بھی وفا نہ کرتا۔ کئی برس کے عرصے میں ایک بارگی یہ حالت ہوئی۔ کہ فقط ٹوپی اور لنگوٹی باقی رہی۔ دوست آشنا جو دانت کاٹی روٹی کھاتے تھے اور چمچہ بھر خون اپنا ہر بات میں زبان سے نثار کرتے تھے کافور ہو گئے۔ بلکہ راہ باٹ میں اگر کہیں بھینٹ ملاقات ہو جاتی تو آنکھیں چرا کر منہ پھیر لیتے۔ اور نوکر چاکر، خدمت گار، بہلیے خاص بردار، شابت خانی سب چھوڑ کر کنارے لگے۔ کوئی بات پوچھنے والا نہ رہا جو کہے ”یہ کیا تمہارا حال ہوا“ سوائے غم اور افسوس کے کوئی رفیق نہ ٹھہرا۔ اب دمڑی کی ٹھنڈیاں میسر نہیں جو چبا کر پانی پیوں دو تین فاقے کڑا کے کھینچے، تاب بھوک کی نہ لا سکا۔ لاچار، بے حیائی کا برقع منہ پر ڈال کر یہ قصد کیا کہ بہن کے پاس چلئے۔ لیکن شرم دل میں آتی تھی کہ قبلہ گاہ کی وفات کے بعد نہ بہن سے کچھ سلوک کیا۔ خالی خط لکھا۔ بلکہ اس نے دو ایک خطوط ماتم پرسی اور اشتیاق کے جو لکھے ان کا بھی جواب اس خواب خرگوش میں نہ بھیجا۔

اس شرمندگی سے جی تو نہ چاہتا تھا۔ پر سوائے اس گھر کے اور کوئی ٹھکانا نظر نہ ٹھہرا۔ جوں توں پا پیادہ، خالی ہاتھ، گرتا پڑتا، ہزار محنت سے منزلیں کاٹ کر ہمشیرہ کے شہر میں جاکر اس کے مکان پر پہنچا۔ وہ ماں جائی میرا یہ حال دیکھ کر بلائیں لے اور گلے مل کر بہت روئی۔ تیل ماش اور کالے ٹکے مجھ پر سے صدقے کئے۔ کہنے لگی۔ اگرچہ ملاقات سے دل بہت خوش ہوا۔ لیکن بھیا تیری یہ صورت کیا بنی؟ اس کا جواب میں کچھ نہ دے سکا آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا کر چپکا ہو رہا۔ بہن نے جلدی خاص پوشاک سلوا کر حمام بھیجا۔ نہا دھو کر وہ کپڑے پہنے۔ ایک مکان اپنے پاس بہت اچھا تکلف کا میرے رہنے کو مقرر کیا صبح کو

شربت اور لوزیات، حلوا سوہن، پستہ مغزی ناشتے کو اور تیسرے پہر میوے خشک و تر، پھل پھلاری اور رات دن دونوں وقت پلاؤ، نان، قلیے، کباب، تحفہ تحفہ مزے دار منگوا کر اپنے روبرو کھلا کر جاتی۔ سب طرح خاطرداری کرتی۔ میں نے ویسی تصدیع کے بعد جو آرام پایا خدا کی درگاہ میں ہزار ہزار شکر بجا لایا۔ کئی مہینے اس فراغت سے گذرے کہ پاؤں اس خلوت سے باہر نہ رکھا۔

ایک دن وہ بہن جو بجائے والدہ کے میری خاطر رکھتی تھی۔ کہنے لگی۔ اے بیرن اتو! میری آنکھوں کی پتلی اور ماں باپ کی موئی مٹی کی نشانی ہے۔ تیرے آنے سے میرا کلیجہ ٹھنڈا ہوا۔ تجھے جب دیکھتی ہوں، باغ باغ ہوتی ہوں۔ تو نے مجھے نہال کیا۔ لیکن مردوں کو خدا نے کمانے کے لئے بنایا ہے۔ گھر میں بیٹھے رہنا ان کو لازم نہیں۔ جو مرد نکھٹو ہو کر گھر سیتا ہے اس کو لوگ طعنہ مہنہ دیتے ہیں۔ خصوصاً اس شہر کے آدمی، چھوٹے بڑے، بے سبب تیرے رہنے پر کہیں گے۔ اپنے باپ کی دولت کھو کر بہنوئی کے ٹکڑوں پر آ پڑا۔ یہ نہایت بے غیرتی اور میری تمہاری جگ ہنسائی اور ماں باپ کے نام کو لاج لگنے کا ہے۔ نہیں تو میں اپنے چمڑے کی جوتیاں بنا کر تجھے پہناؤں اور کلیجے میں ڈال رکھوں۔ اب صلاح یہ ہے کہ سفر کا قصد کرو۔ خدا چاہے تو دن پھریں اور اس حیرانی اور مفلسی کے بدلے خاطر جمعی اور خوشی حاصل ہو۔

یہ بات سن کر مجھے بھی غیرت آئی۔ اس کی نصیحت پسند کی۔ جواب دیا۔ اچھا اب تم ماں کی جگہ ہو۔ جو کہو سو کروں۔ یہ میری مرضی پا کر گھر میں جا کر پچاس توڑے اشرفی کے۔ اصیل اور لونڈیوں کے ہاتھوں میں لدوا کر میرے آگے لا رکھے۔ اور بولی۔ ایک قافلہ سوداگروں کا دمشق کو جاتا ہے تم ان روپوں سے جنس تجارت کی خرید کرو۔ ایک تاجر ایماندار کے حوالے کر کے دستاویز پکی لکھوا لو اور آپ بھی قصد دمشق کا کرو۔ وہاں جب خیریت سے جا پہنچو۔ اپنا مال مع منافع سمجھ بوجھ لیجو یا آپ بیچیو۔ میں وہ نقد لے کر بازار میں گیا، اسباب سوداگری کا خرید کر ایک بڑے سوداگر کے سپرد کیا۔ نوشت و خواند سے خاطر جمع کر لی۔ وہ تاجر دریا کی راہ سے جہاز پر سوار ہو کر روانہ ہوا۔ فقیر نے خشکی کی راہ چلنے کی تیاری کی۔ جب رخصت ہونے لگا، بہن نے ایک سری پاؤ بھاری، ایک گھوڑا جڑاؤ ساز سے تواضع کیا اور مٹھائی پکوان ایک خاص دان میں بھر کے ہرنے سے لٹکا دیا۔ اور چھاگل پانی کی شکاربند بندھوادی۔ امام ضامن کا روپیہ میرے بازو پر باندھا۔ دہی کا ٹیکا ماتھے پہ لگا کر آنسو پی کر بولی۔ سدھارو! تمہیں خدا کو سونپا۔ پیٹھ دکھائے جاتے ہو۔ اس طرح جلد اپنا منہ دکھائیو۔ میں نے فاتحہ خیر کی پڑھ کر کہا۔ تمہارا بھی اللہ حافظ ہے۔ میں نے قبول کیا۔ وہاں سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہوا اور خدا پر توکل اور بھروسہ کر کے دو منزل کی ایک منزل کرتا ہوا دمشق جا پہنچا۔

دوسرے تیسرے اور چوتھے درویش کی داستانوں کی تلخیص

دوسرا درویش

ملک فارس کا شہزادہ تھا۔ سخاوت میں حاتم ثانی۔ ایک روز ایک فقیر نے بصرے کی شہزادی کی سخاوت کی تعریف کی اور یہ اس کے دیکھنے کا مشتاق ہو گیا۔ باپ کی وفات کے بعد جب وہ خود تخت نشین ہوا تو سلطنت کا کاروبار وزیر کو سونپ کر اکیلے ہی بصرے کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب وہاں پہنچا اور شہزادی کو شادی کا پیغام بھیجا تو اس نے کہا کہ شادی کرنے میں کوئی عذر نہیں مگر پہلے حق مہر ادا کیا جائے۔ شہزادی کا مہر ایک عجیب سوال تھا۔ ملک نیم روز میں یہ قاعدہ تھا کہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو تمام لوگ چھوٹے بڑے، لڑکے بالے بوڑھے غریب امیر، شہر کے باہر ایک میدان میں جمع ہو جاتے۔ ایک نوجوان پری زاد ایک زرد بیل پر سوار ہو کر آتا۔ اس کے ساتھ ایک خوب صورت غلام ہوتا۔ نوجوان کے ہاتھ میں تلوار ہوتی اور دوسرے ہاتھ میں مرتبان ہوتا۔ وہ اپنے غلام کو آقا کے ہاتھ سے مرتبان لیکر ایک شخص کو دکھاتا جو کوئی مرتبان کو دیکھتا بے اختیار رونے لگتا۔ اس طرح جب غلام مالک کے پاس پہنچتا تو وہ غلام کا سر قلم کر دیتا۔ پھر جدھر سے آتا تھا ادھر کو لوٹ جاتا۔ شہزادی کا مہر یہ تھا کہ اس نوجوان کا راز معلوم کیا جاوے۔ چنانچہ فارس کا یہ جواں سال بادشاہ اس راز کو معلوم کرنے نکلا۔ اور بڑی دشواریوں کے بعد کامیاب ہو گیا۔ لیکن اس پری زاد نوجوان کی کہانی اس قدر دردناک تھی کہ وہ اپنا خیال چھوڑ اس کی محبوبہ کی خاطر پانچ برس تک مارا مارا پھرتا رہا اور آخر کار خودکشی کرنا چاہتا تھا کہ وہی سبز پوش بزرگ نمودار ہوئے اور اسے پہلے درویش کی طرح روم جانے کا حکم دیا۔

ان دو درویشوں نے اپنا حال سنایا اور رات بیت گئی۔ دوسرے روز بادشاہ نے ان چاروں درویشوں کو اپنے دربار میں بلوا بھیجا۔ اور تیسرے درویش کو آپ بیتی سنانے کے لئے کہا لیکن وہ ہچکچایا تو اس پر خود بادشاہ آزاد بخت نے خواجہ سگ پرست کا قصہ سنایا جو سگے بھائیوں کی سنگدلی اور کتے کی وفاداری کے متعلق تھا۔ خواجہ سگ پرست نے بھائیوں کو پنجرے میں قید کر رکھا تھا۔ اور کتے کے گلے میں سات سات مثقال کے بارہ دانے لعل کے پٹے میں لگا کر ڈالے تھے اور دوسروں کو عبرت اور درس دینے کے لئے بھائیوں کا پنجرہ اور کتے کو لئے لئے پھرتا تھا۔ اب تیسرے درویش کی کہانی سنیئے

تیسرا درویش عجم کا باشندہ تھا جس نے ایک فرنگی شہزادی کا بت دیکھ کر اسے دیکھنے کے شوق میں ملک فرنگ کا قصد کیا۔ شوق دید نے شہزادی کے شہر تک پہنچایا کسی طریقے سے اس کے حضور میں باریابی ہو گئی۔ جب اسے معلوم ہوا۔ کہ وہ عجم کا شہزادہ ہے اور اس کی محبت میں دیوانہ تو شہزادی کو اس کے حال پر رحم آگیا۔ اور دونوں وہاں سے بھاگ نکلے۔ لیکن بدقسمتی آڑے آئی اور جب وہ اپنے ملک کی سرحد میں پہنچے اور دریا پار کرنے کے لئے اس میں گھوڑے ڈالے ہی تھے کہ شہزادی کی گھوڑی الٹ گئی اور وہ دریا میں غائب ہو گئی۔ ملاحوں اور غوطہ خوروں نے سارا دریا چھان مارا۔ مگر شہزادی کا کہیں پتا نہ چلا۔ شہزادے کو اس کا اس قدر صدمہ ہوا کہ دیوانہ ہو گیا اور آخر جی میں یہی آئی کہ دریا میں ڈوب جائے اور یوں ڈوبنے ہی والا تھا کہ ایک برقع پوش بزرگ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اسے پانی سے باہر نکالا اور فرمایا کہ خاطر جمع رکھ اور ملک روم کی طرف جا۔ دو درویش اور وہاں گئے ہیں اُن سے مل کر دل کی مراد پائے۔

چوتھا درویش ملک چین کے بادشاہ کا بیٹا تھا جب بادشاہ کی وفات کا وقت آیا۔ تو اس نے شہزادے کو اپنے سگے چچا کے سپرد کر کے نصیحت کی کہ جب تک شہزادہ جوان نہ ہو، چچا سلطنت کا کام سنبھالے اور جب وہ جوان ہو جائے تو اپنی لڑکی کی شادی اس سے کر کے تاج و تخت شہزادے کے حوالے کر دے۔ مگر چچا کی نیت بدل گئی، اور اس نے شہزادے کے قتل کے منصوبے باندھے۔ شہزادہ جان بچا کر ملک چین سے بھاگا اور اپنے باپ کے ایک دوست ملک صادق کے ہاں پناہ گزین ہوا۔ جو جنوں کا بادشاہ تھا اور اس سے امداد کا طالب ہوا۔ ملک صادق نے امداد کا وعدہ اس شرط پر کیا شہزادہ بھی اس کا ایک کام کرے اور وعدہ کرے کہ اس میں خیانت نہیں کرے گا۔ قول و قرار ہو جانے کے بعد ملک صادق نے شہزادے کو ایک دوشیزہ کی تصویر دی کہ وہ اسے تلاش کر کے لائے۔ شہزادے نے سات برس کے بعد آخر ایک روز اس لڑکی کو پا لیا۔ یہ حاکم شہر کی بیٹی تھی جس کی شادی ایک ملک کے شہزادے سے ہوئی تھی مگر شب عروسی کو جنوں نے شہزادے کو قتل کر دیا تھا اس جرم میں بادشاہ نے حاکم شہر کی آنکھیں نکلوا کر باپ بیٹی کو ان کے محل سے نکال دیا تھا۔ اور وہ دونوں بھیک مانگ کر پیٹ پالتے تھے۔ مگر انہیں بھیک بھی نہیں ملتی تھی۔

چین کے شہزادے نے بوڑھے کی بہت خدمت کی اور آخر اسے رضامند کر لیا کہ شہزادے

اور اس کی بیٹی کی شادی کر دی جائے۔ مگر بوڑھا ڈرتا تھا کہ کہیں جن اُسے بھی قتل نہ کر دیں۔ مگر شہزادے نے بہت زیادہ اصرار کیا تو وہ مان گیا۔ شادی کے بعد وہ اپنی بیوی کو لیکر ملک صادق کی مملکت میں واپس پہنچا۔ اس نے ایک چال چلی کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے یعنی ملک صادق خوش بھی ہو جائے اور لڑکی بھی اسے بخش دے مگر جنوں کا بادشاہ خیانت کو سمجھ گیا اور اسے ایک ایسی لات ماری کہ وہ تیورا کر چاروں شانے چت گرا، اور بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش آیا تو اپنے تئیں ایک ایسے جنگل میں پایا جہاں خار دار درختوں اور جھاڑیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہاں سے وہ دیوانہ وار ملک صادق کو پکارتا چلا۔ لوگوں نے پاگل جانا۔ آخر اس حالت سے تنگ آکر ایک روز پہاڑ پر جا کر اس نے ارادہ کیا کہ اپنے تئیں گرا کر مر جائے گا۔ اتنے میں ایک سبز پوش بزرگ نے ہاتھ تھام لیا اور فرمایا۔ کیوں اپنی جان ناحق کھوتا ہے۔ تو گنگ روم جا تین شخص آگئے گئے ہیں۔ اُن سے ملاقات کر اور سلطان آزاد بخت سے مل۔ تم سب کا مطلب ایک جا ملے گا۔

یوں چاروں درویشوں نے اپنا اپنا حال بیان کیا۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک خادم نے آکر عرض کی کہ بادشاہ کے ہاں چاند سا بیٹا پیدا ہوا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ کو بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ کہ خدا نے اس کی دعا قبول فرمائی۔ لیکن جب وقت شہزادے کو نہلا دھلا کر دائی کی گود میں دیا گیا۔ بادل کا ایک ٹکڑا آیا۔ اور اس نے دائی کو گھیر لیا۔ دائی تو بے ہوش ہو گئی۔ اور شہزادے کا کہیں پتا نہ تھا۔ بادشاہ کو یہ سن کر بہت صدمہ ہوا۔ مگر جب تیسرا دن آیا وہی بادل پھر نمودار ہوا۔ اور جڑاؤ موتیوں کا ایک جھولنا رکھ کر غائب ہو گیا۔ جھولنے کے اندر شہزادہ انگوٹھا چوس رہا تھا۔ اب یہ معمول ہو گیا کہ ہر نوچندی جمعرات کو وہی ابر آتا اور شہزادے کو لے جاتا اور دو دن کے بعد شہزادہ واپس آجاتا۔ بادشاہ بہت حیران تھا کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ درویشوں نے مشورہ دیا کہ ایک رقعہ اس مضمون کا لکھ کر گہوارے میں رکھ دیا جائے۔ کہ آپ کی مہربانی اور محبت دیکھ کر دل مشتاق ملاقات کا ہوا ہے۔ اگر دوستی کی راہ سے اپنے احوال کی اطلاع دیجئے تو خاطر جمع اور حیرانی بالکل رفع ہو۔

نوچندی کے روز شہزادہ جب غائب ہوا تو وہ رقعہ بھی اس کے ساتھ تھا۔ جب شام ہوئی تو ایک لپٹا ہوا کاغذ بادشاہ کے سامنے آن گرا۔ اس پر لکھا تھا: "ہمیں بھی اپنا مشتاق جانیے سواری کے لئے تخت بھیجا جاتا ہے۔ اس وقت اگر تشریف لائیے تو بہتر ہے۔ باہمی ملاقات ہو"۔ بادشاہ آزاد بخت درویشوں کو لیکر تخت پر بیٹھا۔ تخت نے اڑنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک عالی شان عمارت میں جا اترا۔ لیکن وہاں کوئی بھی نظر نہ آیا۔ اتنے میں کسی نے ایک سلائی سلیمانی سرمے کی ان پانچوں کی آنکھوں میں پھیر دی۔

وہ دو بوندیں آنسوؤں کی ٹپک پڑیں۔ پھر دیکھا تو چاروں طرف پریاں ہی پریاں کھڑی نظر آئیں۔ صدر میں تخت پر ان کا بادشاہ ملک شہپال بیٹھا تھا۔ ملک شہپال بادشاہ کو دیکھتے ہی سرو قد اٹھا اور تخت سے اتر کر بغل گیر ہوا۔ اسے اپنے برابر تخت پر بٹھایا۔ اور پھر گرم جوشی سے گفتگو ہونے لگی۔ آزاد بخت نے درویشوں کا سارا حال کہہ سنایا۔ اور سفارش کی اور امداد چاہی کہ اُن پر جو مصیبتیں گزری ہیں ان کو کامیابی حاصل ہو۔ ملک شہپال نے اسی وقت بڑے بڑے جن سرداروں کو بلا کر حکم دیا۔ کہ جس کسی کے پاس آدم زاد ہو خواہ مرد ہو خواہ عورت لا کر حاضر کرے۔ یہ سن کر جن چاروں طرف روانہ ہوئے۔ اب ملک شہپال درویشوں سے مخاطب ہو کر بولا۔ مجھے اولاد کی بڑی آرزو تھی اور میں نے عہد کیا تھا کہ اگر خدا بیٹا یا بیٹی دے۔ تو اس کی شادی بنی آدم کے بادشاہ کے ہاں جو لڑکا یا لڑکی پیدا ہو گی اس سے کروں گا۔ شہزادہ بھی اسی وقت پیدا ہوا۔ جس وقت شہزادی پیدا ہوئی۔ پھر اس نے شہزادے کے اٹھا لانے اور واپس بھیجنے کا سارا قصہ بیان کیا۔ یہ سن کر

آزاد بخت بولا۔ یہ بیٹا اب تمہارا ہے جو مرضی ہے وہ کریں۔

چند دنوں کے بعد تمام جن سردار ملک شہپال کے دربار میں حاضر ہوئے۔ ملک صادق نے اس لڑکی کو جو اس کے قبضے میں تھی لا حاضر کیا۔ ولایت عمان کی شہزادی ایک جن نے حاضر کی۔ شہزادی فرنگ قلزم کے بادشاہ سے نکلی۔ شہزادی شام بڑی مشکل سے برآمد کی گئی۔ چند روز کے بعد ملک شہپال کی بیٹی، روشن اختر اور آزاد بخت کے صاحب زادے بختیار کا عقد پڑھوایا گیا اور اس کے بعد چاروں درویشوں کا نکاح بھی کر دیا گیا۔ اس طرح یمن کے خواجہ زادہ کو دمشق کی شہزادی سے بیاہا گیا۔ ملک فارس کے شہزادے کا نکاح بصرے کی شہزادی سے کر دیا گیا۔ عجم کے شہزادے کو فرنگ کی شہزادی سے منسوب کیا گیا۔ شہزادہ نیم روز کو جن کی شہزادی حوالے کی گئی۔ چین کے شہزادے کو اس بوڑھے کی بیٹی ولائی گئی۔ جو آنکھیں کھو چکا تھا۔

اس طرح سبز پوش کا کہنا پورا ہوا اور سب کی مراد بر آئی

از۔ باغ و بہار انمول کہانیاں

مرتبہ۔ مرزا ادیب۔ شیر محمد اختر

میرامن کی منظر نگاری

میرامن نے اس دور کے رسم و رواج کو باغ و بہار میں بڑی کامیابی اور مہارت سے بیان کیا ہے مثلاً ایک جگہ پر شادی کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں۔

"تمام حویلی میں فرش مکلف لائق ہر مکان کے جا بجا بچھا ہے اور مسندیں لگی ہیں پاندان، عطردان، گلاب دان، پیک دان، چنگیریں، نرگس دان قرینے سے دھرے ہیں، طاقوں پر نگترے، کنولے، نارنگیاں اور گلابیاں رنگ برنگ چنی ہیں۔ ایک طرف رنگ آمیز ابرک کی ٹیٹیوں میں چراغاں کی بہار ہے ایک طرف جھاڑ اور سرو کنول کے روشن ہیں اور تمام دالان اور شہ نشینوں میں طلائی شمع دان پر کافوری شمعیں چڑھی ہیں اور جڑاؤ فانوسیں اوپر دھری ہیں۔ سب آدمی اپنے اپنے عہدوں پر مستعد ہیں۔ باورچی خانے میں دیگیں کھنکھنا رہی ہیں۔ آب دار خانے کی ویسی ہی تیاری ہے۔ کوری کوری ٹھلیاں روپے کی گھڑونچیوں پر صافیوں سے اور بجروں سے ڈھکی رکھی ہیں۔ آگے چوکی پر ڈھکے کٹورے مع تھالی سرپوش دھرے۔ برف کے آبخورے لگ رہے ہیں اور شورے کی صراحیاں ہل رہی ہیں۔ غرض سب اسباب بادشاہانہ موجود ہیں اور کنچنیاں، بھانڈ، کلاونت، قوال اچھی پوشاک پہنے ساز کے سر ملائے حاضر ہیں"۔

ایک اور جگہ منظر کشی ملاحظہ ہو۔

"جب شہر کے دروازے پر گیا۔ بہت رات جا چکی تھی۔ دربانوں اور نگاہ بانوں نے دروازہ بند کر لیا تھا۔ میں نے بہت منت سماجت کی کہ مسافر ہوں۔ دور سے دھاوا مارے آتا ہوں۔ اگر کواڑ کھول دو تو شہر میں جا کر دانہ گھاس کا آرام پاؤں۔ اندر سے گھڑک کر بولے۔ اس وقت دروازہ کھولنے کا حکم نہیں۔ کیوں اتنی رات گئے تم آئے؟ جب میں نے جواب صاف ان سے سنا، شہر پناہ کی دیوار تلے گھوڑے سے اتر زین پوش بچھا کر بیٹھا۔ جاگنے کی خاطر ادھر اُدھر ٹہلنے لگا"۔

اب چند ایک مشاہیر کی رائے بابت باغ و بہار پیش خدمت ہے۔

"نظم لکھنے میں جیسا کمال میر کو ہے، نثر لکھنے میں ویسا ہی میرامن کو ہے"۔

سرسید احمد خاں

"باغ و بہار زندہ کتابوں میں سے ہے"۔

محمد حسین آزاد

"باغ و بہار اردو نثر کی ان چند کتابوں میں سے ہے جو ہمیشہ زندہ رہنے والی ہیں۔ اور شوق سے پڑھی جائیں گی۔"

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

"میرامن نے اپنے زمانے کی معاشرت، رسم و رواج کا حال اس طرح بیان کیا ہے کہ ہم اپنے آپ کو اس عہد میں زندگی بسر کرتے ہوئے محسوس کرتے ہیں۔"

سید وقار عظیم

سیّد حیدر بخش حیدری کی آرائش محفل

مصنّف کے حالات

سید حیدر بخش حیدری کتاب آرائش محفل کے مصنف تھے ان کے بارے میں حامد حسن قادری صاحب اپنی کتاب داستان تاریخ اردو میں لکھتے ہیں: "فورٹ ولیم کالج کے مصنفوں میں حیدر بخش حیدری نے سب سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ لیکن نہ سب کی سب شائع ہوئیں اور نہ سب کے قلمی نسخے ملتے ہیں۔ حیدر بخش حیدری کے آباؤ اجداد نجف اشرف سے ہندوستان آئے اور دہلی میں سکونت اختیار کی۔ ان کے والد کا نام سید ابوالحسن تھا۔ معاش سے پریشان ہو کر ان کے والد لالہ سکھ دیو لال کے ساتھ دہلی سے بنارس چلے گئے۔ اور وہیں رہنے لگے۔ بنارس میں نواب علی ابراہیم خان خلیل عدالت کے جج تھے۔ حیدری کی تعلیم و تربیت نواب صاحب کی صحبت میں ہوئی۔ جب فورٹ ولیم کالج کا افتتاح ہوا۔ اور وہاں ہندوستانی منشیوں کی ضرورت ہوئی تو حیدری نے اردو میں قصہ مہر و ماہ لکھا اور اس کو لے کر کلکتہ پہنچے۔ ڈاکٹر گل کرائسٹ کے سامنے اپنی تصنیف پیش کی۔ انہوں نے بہت پسند کی۔ اور حیدری کو ملازم رکھ لیا۔ حیدری ۱۸۱۴ء سے پہلے اس ملازمت سے سبکدوش ہو کر بنارس واپس آ گئے۔ بنارس میں ۱۸۲۳ء میں انتقال کیا۔"

حیدر بخش حیدری نے مندرجہ ذیل کتب تصنیف کیں

۱۔ قصّہ مہر و ماہ یہ تصنیف حیدری کی اوّلین تصنیف ہے اس کا ذکر تذکروں میں ہی ملتا ہے۔ اس کا کوئی قلمی یا چھپا ہوا نسخہ آج تک نہیں دستیاب ہو سکا۔

۲۔ قصّہ لیلےٰ مجنوں یہ قصہ امیر خسرو کی فارسی مثنوی لیلےٰ مجنوں کا اردو ترجمہ ہے اس کا بھی کوئی نسخہ نہیں مل رہا۔

۳۔ ہفت پیکر یہ حیدری کی منظوم تصنیف ہے یہ مثنوی دراصل نظامی گنجوی کی اسی نام کی مثنوی کے جواب میں لکھی گئی۔ یہ کتاب بھی اب ناپید ہے۔

۴۔ تاریخ نادری یہ کتاب فارسی تصنیف تاریخ جہاں کشائے نادری مصنفہ مرزا محمد مہدی استرآبادی کا اردو ترجمہ ہے یہ کتاب تاریخ نادری کے نام سے مشہور ہے اس کتاب میں نادر شاہ کے حالات ہیں یہ کتاب بھی نہیں ملتی۔

۵۔ گلزار دانش یہ کتاب شیخ عنایت اللہ کی فارسی تصنیف "بہار دانش" کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ جہاندار شاہ اور بہرور بانو کا قصہ ہے حیدری کی یہ کتاب بھی مفقود ہے۔

۶۔ گلدستۂ حیدری اس کتاب میں حیدری کی مختلف تالیفات جمع ہیں۔ یعنی مجموعہ مراثی حکایات و لطائف، دیباچہ مہر و ماہ، دیباچہ لیلیٰ مجنوں، غزلیات، قصائد وغیرہ۔ یہ کتاب بھی کم یاب ہے۔

۷۔ گلشن ہند اس کتاب میں ہندوستان کے شعراء کا تذکرہ ہے۔ بقول حامد حسن قادری اس کتاب کی دو کاپیاں انگلستان میں موجود ہیں۔

۸۔ طوطا کہانی حیدری کی طوطا کہانی ۱۸۰۱ء میں لکھی گئی اور نصاب میں شامل ہوئی۔ یہ کتاب بہت مقبول ہوئی اور بار بار چھپی۔ اس کا ترجمہ انگریزی زبان میں ISMALL G نے کیا۔

۹۔ آرائش محفل فورٹ ولیم کالج کے جان گل کرائسٹ کے ایماء پر حیدری نے اس کتاب کو فارسی زبان سے اردو میں منتقل کیا۔ یہ صرف ترجمہ ہی نہیں ہے بلکہ اس میں زیب داستان کے لئے بہت کچھ بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا ہے اس میں حاتم طائی کے سات سفروں کی کہانی بیان کی گئی ہے۔

۱۰۔ گل مغفرت یہ حیدری کی آخری کتاب ہے اس میں شہدائے اسلام خاص طور پر شہدائے کربلا کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب فورٹ ولیم کالج کے زمانے کے بعد کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب ۱۸۱۲ء میں لکھی گئی اور اسی سال کلکتے سے شائع ہوئی۔ حیدری نے ۱۸۲۳ء میں انتقال کیا۔

آرائش محفل

ہم ذیل میں حیدر بخش حیدری کی کتاب آرائش محفل کی داستان کی تمہید اور پھر حاتم کے چند ایک سفروں کا حال بیان کریں گے حاتم طائی کے قصے کی ابتدا اس طرح سے ہوتی ہے۔

"کہتے ہیں کہ اگلے زمانے میں ملک یمن پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ طے اس کا نام تھا۔ اس کی شادی چچا کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ اللہ نے اس کو ایک بیٹا دیا کہ خوب صورتی میں چاند سورج کو مات کرتا اور شرماتا تھا۔ لڑکا پیدا ہوا، تو دور دور سے حکیم، منجم، رمال اور پنڈت طلب کئے گئے۔ بادشاہ نے سب سے کہا کہ اپنے اپنے علم سے شہزادے کے نصیب کا حال معلوم کرو۔ سب نے سوچ بچار کیا اور بتلایا۔

"صاحب زادہ ہفت اقلیم کا بادشاہ ہوگا۔ تمام عمر برائے خدا کام کرے گا۔ اور حاتم اس کا نام ہوگا۔ اس کا نام خورشید کی طرح قیامت تک جلوہ گر رہے گا۔"

بادشاہ یہ سن کر بڑا خوش ہوا۔ بے شمار مال و جواہر نثار کیا اور حاتم اس کا نام رکھا۔ پھر ساری مملکت میں ڈھنڈورا پٹوایا کہ آج کے دن ساری مملکت میں جتنے لڑکے پیدا ہوں وہ سب محل میں پہنچا دیئے جائیں۔ ان کی پرورش بادشاہ کے سایہ میں ہوگی۔ اس دن ساری سلطنت میں چار ہزار لڑکے پیدا ہوئے تھے وہ سب کے سب محل میں آ گئے اور ہر ایک پر ایک ایک دائی کھلائی نوکر رکھ دی گئی۔ چار دائیاں حاتم کے لئے الگ رکھی گئیں۔ لیکن ایک عجیب بات ہوئی جس سے بادشاہ، وزیر اور درباری سب کے سب پریشانی میں مبتلا ہو گئے۔ دائیاں کھلائیاں لاکھ کوشش کرتیں مگر حاتم طائی کسی طرح دودھ نہ پیتا تھا۔ بادشاہ نے پھر حکیموں اور پنڈتوں کو بلایا تو وہ کہنے لگے "جہاں پناہ یہ حاتم زمانہ ہے۔ تنہا دودھ نہیں پیئے گا۔ پہلے ان کو پلوائے گا پیچھے آپ پیئے گا۔ جب تک زندہ رہے گا۔ نہ تنہا کھائے گا نہ تنہا پیئے گا۔ غرض جب سب بچے دودھ پی چکے تو اس نے بھی پیا۔ اور ساری زندگی اس کا یہی طریق رہا۔ اس کی ساری زندگی دوسروں کا دکھ درد بانٹنے میں کٹی۔

بچپن ہی سے اسے شکار کا شوق ہوا۔ لیکن جب جانور کو پکڑتا، جیتا چھوڑ دیتا۔ اتفاقاً ایک دن شکار کو گیا ایک شیر غراتا ہوا سامنے آ گیا۔ اس نے دل میں سوچا اگر خنجر مارتا ہوں تو بیچارہ مفت میں مارا جاتا ہے۔ اگر چھوڑتا ہوں تو خود جان سے جاتا ہوں۔ آخر یہی طے کیا کہ بہتر ہے یہ میرا گوشت کھا کر اپنا پیٹ بھرے یہ سوچ کر شیر کے پاس گیا اور بولا۔

"اے شیر صحرائی! میرا اور میرے گھوڑے کا گوشت حاضر ہے۔ تو اپنا پیٹ بھر اور جدھر کو چاہے راہ لے۔"

شیر نے یہ بات سنی تو حاتم کے قدموں میں لوٹنے لگا۔ اور تھوڑی دیر بعد جدھر سے آیا تھا اسی

طرف کو چلتا ہوا۔ ان ہی دنوں کا ذکر ہے کہ خراسان میں ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا اس ملک میں برزخ نام کا ایک سوداگر رہتا تھا۔ کہ بے شمار مال و اسباب اس کے پاس تھا۔ اس کی ایک لڑکی تھی اس کا نام حسن بانو تھا ابھی اس کی عمر بارہ برس کی تھی کہ سوداگر کی موت کا وقت آپہنچا۔ اس نے لڑکی کو بادشاہ کے سپرد کیا اور اس دنیا سے رخصت ہوا۔ چند دن میں جب حسن بانو بڑی ہو گئی تو بادشاہ نے اس کی ساری دولت اس کے سپرد کر دی۔ لیکن حسن بانو دل کی بڑی نیک تھی۔ دل میں سوچا کہ اتنی دولت لیکر میں کیا کروں گی۔ بہتر ہے کہ اسے اللہ کے نام پر لٹا کر اپنی زندگی اللہ کی یاد میں بسر کروں۔ یہ بات اس نے اپنی دائی سے کہی تو وہ بلائیں لیکر کہنے لگی تمہاری عمر دنیا سے منہ موڑنے کی نہیں۔ اگر چاہتی ہو کہ دنیا میں زندگی کا کوئی ایسا ساتھی ملے کہ دن اچھی طرح کٹ جائیں تو اپنے دروازے پہ سات سوال لکھ کر لگا دو۔ جو کوئی ان سات سوالوں کا جواب لادے سمجھو کہ وہ جوانمرد ہے۔ اس سے شادی کر کے ہنسی خوشی زندگی کے دن گذارو۔

حسن بانو کو دائی کی یہ بات پسند آئی اور اس کے کہنے سے سات سوال لکھ کر اپنی ڈیوڑھی پر لٹکا دیئے اور اس انتظار میں دن کاٹنے لگی کہ کوئی جواں مرد آئے اور ان سوالوں کو حل کرے۔ حسن بانو دن رات خدا کی یاد میں لگی رہتی تھی جب فرصت پاتی تو اپنے کوٹھے پر بیٹھ کر بازار کا تماشہ دیکھنے لگتی۔ ایک دن اسی طرح اپنے کوٹھے پر بیٹھی تھی کہ ایک عجیب تماشہ نظر آیا۔ دیکھتی کیا ہے کہ ایک فقیر نہایت بزرگ صورت سامنے سے گذر رہا ہے چالیس خادم اس کے ساتھ ہیں ان کے ہاتھوں میں سونے چاندی کی اینٹیں ہیں وہ باری باری یہ اینٹیں زمین پر رکھتے ہیں اور فقیر ان پر پیر رکھ کر آگے بڑھتا ہے زمین پر قدم نہیں رکھتا۔ دائی کو بلا کر حسن بانو نے یہ تماشہ دکھلایا۔ وہ کہنے لگی۔

"بیٹی! یہ بزرگ بادشاہ کا پیر ہے۔ دور دور اس کمائی کا بزرگ دیکھنے میں نہیں آیا۔"

حسن بانو کے دل میں اس بزرگ سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ اس نے بڑے ادب سے اس کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ اگر آپ غریب خانہ پر تشریف لائیں تو میری بڑی عزت بڑھے گی۔ فقیر نے حسن بانو کی دعوت قبول کر لی اور اگلے دن وقت مقررہ پر سونے چاندی کی اینٹوں پر پاؤں دھرتا اپنے چالیس خادموں سمیت حسن بانو کی حویلی میں آ گیا۔

حسن بانو نے اس دعوت کا ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ کوئی بادشاہ بھی کیا کرے گا۔ دروازے سے مسند تک زربفت کا فرش۔ نذر کے لئے زر و جواہر کی کشتیاں سونے چاندی کے برتنوں میں انواع و اقسام کے میوے، پھل، مٹھائیاں اور کھانے۔ جڑاؤ سونے چاندی کے اور رنگا جمنی آفتابے، شاہ صاحب نے یہ ساز و سامان دیکھا تو منہ میں پانی بھر آیا۔ تھوڑا تھوڑا کھا کے کھانے سے ہاتھ کھینچا اور حسن بانو کو دعائیں دے کر رخصت ہو گئے اب سنو مزے کی بات۔ یہ شاہ صاحب بڑے مکار تھے رات کو بھیس بدل کر اپنے چالیس خادموں کو ساتھ لیکر حسن بانو کے گھر پر چھاپہ مارا، اور اس کا بہت سا زر و جواہر لوٹ لائے۔ حسن بانو نے پہچان بھی لیا کہ یہ چور تو وہی دن والے بزرگ اور ان کے ساتھی ہیں۔ لیکن اس وقت کچھ نہ بولی۔ صبح کو البتہ فریاد لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ بادشاہ کو رات کی ساری روئیداد سنائی۔ تو وہ بہت خفا ہوا کہ ایسے بزرگ پر الزام دھرتے تجھے شرم نہیں آئی غصہ میں حسن بانو کو یہ سزا دی کہ اس کا سارا ساز و سامان چھین کر شہر سے باہر نکلوا دیا۔ اس حال میں بس بوڑھی دائی کے سوا اس کا کوئی مونس و غمخوار نہ تھا۔ یہ دونوں روتی دھوتی جنگل میں ادھر ادھر پھرنے لگیں۔

حسن بانو تھک کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئی۔ اپنی حالت پر غور کرتے کرتے اسے نیند آگئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ ایک بزرگ سفید کپڑے پہنے اور سبز عصا ہاتھ میں لئے سامنے آئے حسن بانو کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور بولے۔ "بیٹی! تو کسی طرح کا غم نہ کر۔ اللہ تیرے ساتھ ہے جس درخت کے سائے میں تو لیٹی ہے۔ اس کے نیچے سات بادشاہوں کی دولت گڑی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے چھپا رکھی ہے اٹھ اور اس خزانے کو اپنے خرچ میں لا۔"

حسن بانو یہ خواب دیکھ کر چونک پڑی۔ بوڑھی دائی کو ساری بات سنائی دونوں نے مل کر زمین کھودی تو نیچے سے اتنی اشرفیاں اور اتنا سونا نکلا کہ آنکھیں کھل گئیں۔ خدا کا شکر ادا کیا اور خزانے کا منہ جوں کا توں بند کر دیا۔ اور دائی کے مشورے سے اسی جنگل میں ایک عالی شان محل تعمیر کروا کر اپنے سارے عزیزوں اور رشتہ داروں کو جو اس کی خانہ بربادی کی وجہ سے دربدر ٹھوکریں کھا رہے تھے۔ وہیں بلوا لیا۔ اور سب پھر ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے لگے۔ تھوڑے دنوں بعد حسن بانو نے سوداگر کا بھیس بدلا اور بہت سے تحائف لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی۔

"جہاں پناہ! میں فلاں شہر کے سوداگر کا بیٹا ہوں۔ میں اور میرے والد سوداگری کا مال لے کر آپ کے شہر کی طرف آ رہے تھے راستے میں قبلہ گاہی کا انتقال ہو گیا جس جنگل میں ان کا انتقال ہوا ہے میری خواہش ہے کہ وہاں ایک شہر بسا کر آپ کے نام پر اس کا نام رکھوں ــــــ"

بادشاہ یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ اور شہر بسانے کی اجازت دے دی۔ اور حسن بانو کا نام ماہ رو شاہ رکھا۔ شہر بسنا شروع ہو گیا۔ اس دن سے ماہرو شاہ برابر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا۔ ایک دن وہ دربار میں حاضر تھا کہ بادشاہ کے وہی پیر صاحب جنہوں نے حسن بانو کے گھر میں ڈاکہ ڈالا تھا۔ بادشاہ سے ملنے آئے۔ بادشاہ اور درباری سب تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوئے۔ بادشاہ نے انہیں مسند پر بٹھایا اور باتیں شروع ہو گئیں۔ باتوں باتوں میں بادشاہ نے ماہرو شاہ کی ملاقات پیر صاحب سے کرا دی۔ ماہرو شاہ تو انہیں پہلے ہی پہچان گیا تھا۔ ظاہر میں شاہ صاحب سے مل کر بہت خوش ہوا۔ اور ان سے عرض کی کہ اگر حضور اس غریب کے گھر تشریف لائیں تو میرے لئے عین سعادت کا باعث ہو گا۔ شاہ صاحب نے دعوت قبول کر لی۔

دعوت کا وقت اور دن مقرر ہو گیا۔ اس دن کے لئے ماہرو شاہ نے بادشاہ سے برزخ سوداگر کی وہی حویلی مانگ لی جس میں ایک دفعہ شاہ صاحب کی دعوت ہوئی تھی بادشاہ نے وہ حویلی ہمیشہ کے لئے ماہرو شاہ کو دے دی۔ اس نے اسے مرمت کروا کر دعوت کے لئے خوب اچھی طرح سے سجا دی۔ دعوت کا دن آیا تو دعوت کا انتظام پہلی مرتبہ سے بھی زیادہ خوبی سے کیا اور ایسا ساز و سامان مہیا کیا کہ اس مرتبہ شاہ صاحب دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ لیکن اپنے دل میں سوچتے تھے کہ تھوڑی دیر کی کسر ہے رات کو یہ سارا سامان میرا ہو گا۔ حسن بانو بھی شاہ صاحب کے دل کا حال جانتی تھی اس دن اس نے اپنے سارے نوکروں سے ہوشیار رہنے کو کہا اور کوتوال شہر کو اطلاع کہ آج میرے گھر میں ڈاکہ پڑنے کا ڈر ہے۔ کوتوال نے اطلاع پائی تو وہ سو سپاہیوں کو لیکر اول ہی رات سے حویلی کے مختلف حصوں میں جا چھپا۔

ابھی آدھی رات ہوئی تھی کہ شاہ صاحب اور ان کے چیلے آ پہنچے اور لوٹ مار شروع کر دی۔ جب سب نے سامان کی بڑی بڑی گٹھڑیاں باندھ کر تیار کر لیں تو کوتوال کے سپاہی ان پر ٹوٹ پڑے اور سب کو رسیوں سے جکڑ لیا۔ صبح ہوتے ہی یہ بادشاہ کے دربار میں پیش ہوئے تو بادشاہ پر پیر صاحب کا ڈھونگ کھلا۔ انہیں اور ان کے چالیس چیلوں کو لمبی لمبی سزائیں دیں اور یہ سوچ کر افسوس کرنے لگا کہ ان پاجیوں کی خاطر میں نے برزخ کی بیٹی کو شہر بدر کیا۔ برزخ سوداگر کی بیٹی تو ماہرو شاہ کے بھیس میں وہاں موجود ہی تھی فوراً اٹھ کر بادشاہ کے قدموں پہ گر پڑی اور اپنا سارا حال سنایا۔ بادشاہ حال سن کر بہت خوش ہوا اور حسن

بانو سے اپنے قصور کی معافی مانگی حسن بانو نے بادشاہ سے عرض کی کہ جو زر و جواہر اللہ نے مجھے دیا ہے وہ میں لیکر کیا کروں گی۔ مجھے تو بس اتنا کافی ہے کہ روکھی سوکھی کھاؤں اور اللہ کو یاد کروں۔ اس لئے جو میرے پاس ہے اسے لیکر شاہی خزانے میں داخل کر لیجئے بادشاہ نے کہا جو تمہاری خوشی۔ دو تین بعد بادشاہ حسن بانو کے شہر میں گئے۔ لیکن جونہی شاہی آدمی اشرفیوں کے کنوئیں کے پاس پہنچے ساری اشرفیاں سانپ بچھو بن گئیں بادشاہ نے یہ دیکھا تو بولے

"حسن بانو! اللہ کی مرضی یہی ہے کہ اس سارے خزانہ کی مالک تم رہو۔ اللہ تمہیں مبارک کرے۔ اسے جس طرح چاہو۔ خرچ میں لاؤ۔"

بادشاہ تو یہ کہہ کر رخصت ہوئے اور حسن بانو نے اپنی دولت اللہ کی راہ میں خرچ کرنی شروع کر دی۔ جو مسافر اس شہر میں آتا اسے مسافر خانے میں ٹھہرایا جاتا۔ اس کی ہر طرح سے خاطر داری ہوتی اور جب جانے لگتا تو اسے نقد جنس سے مالا مال کر کے رخصت کیا جاتا حسن بانو کی سخاوت کا شہرہ دور دور ہوا۔ ملک ملک کے لوگ اس کا حال دیکھنے آتے اور جو کچھ سُن رکھا تھا اس سے زیادہ دیکھ کر جاتے۔ ہوتے ہوتے حسن بانو کی سخاوت کی شہرت شہر خوارزم تک پہنچی۔ منیر شامی یہاں کے بادشاہ کا بیٹا تھا اس نے جو حسن بانو کے حسن اور سخاوت کا حال سنا تو بن دیکھے اس کا مشتاق ہوا۔ اور ماں باپ سے چھپ کر فقیروں کے بھیس میں شاہ آباد کی طرف چلا۔

ایک مدت کے بعد مصیبتیں جھیلتا وہاں پہنچا اور سرائے میں جا کر ٹھہرا۔ حسن بانو کے آدمیوں نے کھانے پینے کو کہا تو کچھ نہ کھایا۔ یہ خبر حسن بانو تک پہنچی تو اس نے شہزادے کو بُلایا اور پوچھا کہ اے بابا! تجھے کیا غم ہے کہ کھانا پینا چھوڑا ہے؟ تجھے جو چاہیے ہمارے خزانے سے لے اور رخصت ہو۔ کسی بات کا غم نہ کر۔ شہزادے نے جواب دیا۔

"اے شہزادی! میں خود ایک ملک کا شہزادہ ہوں مال و دولت کا محتاج نہیں یہ فقیروں کا بھیس تمہاری خاطر بنایا ہے اور تمہارے شہر میں یہ آرزو لیکر آیا ہوں کہ تم مجھے اپنی غلامی میں قبول کر لو۔"

حسن بانو نے شہزادے سے کہا۔

"اے شہزادے! ہم نے تیری بات سُنی۔ لیکن ہم مجبور ہیں کہ شادی صرف اس شخص سے کریں گے جو ہمارے سات سوالوں کا جواب ہمیں لا کر دے گا۔ اگر تم مجھے اپنا بنانا چاہتے ہو تو ان سوالوں کو حل کرو۔ اس کے بعد میں تمہاری لونڈی بن جاؤں گی۔"

شہزادے نے یہ بات سنی تو غم سے رونے لگا۔ لیکن جب یہ دیکھا کہ رونے دھونے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا تو حسن بانو سے پوچھا کہ اے حسن کی ملکہ اپنے سوال بتاؤ اس پر حسن بانو نے کہا۔

"ایک شخص ہے جو برابر یہ کہتا رہتا ہے کہ ایک بار دیکھا ہے دوبارہ دیکھنے کی ہوس ہے۔ بتاؤ یہ شخص کون ہے کہاں ہے اور کس لئے یہ بات کہتا ہے؟"

منیر شامی سخت حیران ہوا۔ کہ اس سوال کا جواب کہاں سے تلاش کرے۔ لیکن مرتا کیا نہ کرتا۔ حسن بانو سے سال بھر کا وعدہ کر کے روتا پیٹتا وہاں سے رخصت ہوا۔ جہاں جاتا لوگ یہی کہتے کہ نہ جانے کتنے شہزادوں اور وزیروں نے اسی سوال کی کھوج میں اپنی جان دیدی۔ کیوں مفت میں اپنی جان کھوتا ہے لیکن شامی دھن کا پکا تھا کسی کی نہ سنی اور ایک شہر سے دوسرے شہر جنگل، پہاڑ اور ویرانوں میں مارا مارا پھرتا تھا۔ آخر ایک دن ایسے جنگل میں جا نکلا جہاں حاتم شکار کھیل رہا تھا۔ اس نے منیر شامی کے رونے کی آواز سنی۔ گھوڑا دوڑا کر وہاں پہنچا۔ جا کر دیکھا کہ حسین جوان رو رو کر جان کھو رہا ہے۔ حاتم نے اس سے رونے کا سبب پوچھا تو شہزادے نے اپنی دکھ کی کہانی سنائی۔ حاتم نے اسے دلاسا دیا اور کہا۔

"میاں رو رو کر اپنی جان مت دے۔ اللہ نے چاہا تو تیری آرزو ضرور پوری ہو گی۔"

شہزادے کو حاتم کی بات سے تسلی ہوئی تو رونا دھونا بند کر دیا۔ حاتم طائی شہزادے کو لیکر حسن بانو کے پاس پہنچا اور اس سے کہنے لگا۔

"اے نیک دل شہزادی! یہ شہزادہ میرا دوست ہے۔ تمہاری محبت میں رو رو کر جان دے رہا ہے اس لئے میں اسے تمہارے سپرد کر کے تمہارے سوال کا جواب لینے جاتا ہوں۔ جب تک نہ لوٹوں اس کی خاطر داری میں کوئی کمی نہ کرنا۔"

حاتم تو یہ کہہ کر رخصت ہوا اور شامی سرائے میں انتظار کی گھڑیاں کاٹنے لگا۔

پہلے سوال کا جواب

حاتم گھر سے نکلا تو سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کہاں جائے؟ اور کدھر نہ جائے! اسی ادھیڑ بن میں جنگل جنگل مارا مارا پھرتا تھا اور اللہ سے دعا مانگتا تھا کہ یا اللہ! اپنی رحمت سے مجھے سرخرو کر۔ ایک دن ایک جنگل سے گزر رہا تھا کہ میدان میں ایک ہرنی چر رہی تھی۔ ایک طرف سے ایک بھیڑیا آیا۔ قریب تھا کہ اس پر جھپٹے اور چیر پھاڑ کر برابر کر دے کہ حاتم نے اسے للکار کر کہا۔ "اے نابکار! کیا کرتا ہے کیوں ناحق اس بیچاری ہرنی کی جان لیتا ہے"۔ بھیڑیا یہ للکار سن کر رکا اور حاتم سے کہنے لگا۔

"تم شاید حاتم ہو جو تمہیں اس ہرنی پر ترس آیا!"

حاتم نے پوچھا کہ تم نے کیسے جانا؟ بولا حاتم کے سوا اور کون ایسا ہے جو بے زبان جانوروں پر یوں ترس کھائے۔ مگر ذرا یہ تو سوچ کہ میں ہرنی کو نہ کھاؤں تو اپنا پیٹ کس طرح بھروں؟ حاتم نے کہا تم ٹھیک کہتے ہو۔ تمہارا پیٹ تو کسی طرح بھرنا ہی چاہیئے۔ یہ کہہ کر میان سے خنجر نکالا اور ران سے گوشت کا ایک لوتھڑا کاٹ کر اس کے آگے ڈال دیا۔ بھیڑیئے نے سیر ہو کر کھایا اور جنگل کی راہ لی۔ ہرنی بھی آنکھوں ہی آنکھوں میں حاتم کا شکریہ ادا کرتی جنگل کو سدھاری۔ یہ دونوں چلے گئے تو حاتم بھی ایک طرف کو چلا۔ لیکن ران کا زخم چلنے نہ دیتا تھا۔ اس لئے لاچار ہو کر ایک پیڑ کے نیچے پڑ رہا۔ حاتم درد سے بے تاب تھا اور پڑا کراہ رہا تھا۔ کہ ادھر سے گیدڑ کا ایک جوڑا گزرا۔ مادہ نے حاتم کو دیکھا تو نر سے کہنے لگی۔ نہ جانے یہ آدم زاد کون ہے اور اسے کیا دکھ ہے کہ پڑا کراہ رہا ہے۔ گیدڑ نے جواب دیا۔ اے مادہ! جو کچھ میں نے بزرگوں کی زبانی سنا ہے۔ اس سے مجھے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حاتم ہے۔ مادہ نے کہا۔ مجھے اس کا کچھ اور حال سناؤ۔ نر نے حاتم کی سخاوت جواں مردی اور بہادری کا سارا قصہ مادہ کو سنایا۔ مادہ نے یہ باتیں سنیں تو کہنے لگی۔ کیا ہم اس بہادر کی کوئی مدد نہیں کر سکتے؟ گیدڑ نے کہا۔ وحشت آثار مدران میں ایک جانور ہے اس کے سر کا بھیجا اس کے زخم کو فوراً اچھا کر دے گا۔ لیکن وہاں آنے جانے میں پورا ایک ہفتہ لگے گا۔ اگر تو وعدہ کرے کہ ایک ہفتے تک حاتم کی دیکھ بھال کرے گی تو میں جانور کا سر لے آؤں۔ مادہ نے کہا کہ وہ بڑی خوشی سے آٹھ دن حاتم کی خدمت کرے گی۔

گیدڑ گیدڑی سے رخصت ہو کر ماثر مدران کی طرف چلا۔ گیدڑی حاتم کی خدمت کرتی رہی۔ آٹھ دن پورے ہوئے تو گیدڑ اس جانور کا بھیجا لے کر آ پہنچ گیا۔ حاتم نے زخم پر ملا تو زخم دیکھتے دیکھتے بھر گیا۔ حاتم بھلا چنگا ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور گیدڑ اور گیدڑی سے کہنے لگا۔

"تم لوگوں نے مجھ پر جو احسان کیا ہے اسے میں ساری زندگی نہیں بھولوں گا۔ اب تم اگر کوئی خدمت مجھ سے لو تو مجھے بڑی خوشی ہو گی۔"

گیدڑ بولا۔۔ "اے حاتم سارا زمانہ تیرا احسان مند ہے۔ ایک احسان ہم پر بھی کر۔ یہاں سے تھوڑی دور پر ایک بھیڑیا رہتا ہے۔ وہ ہر سال ہمارے بچوں کو کھا جاتا ہے اور ہم اس کا کچھ نہیں کر سکتے۔ اس سے ہمیں نجات دلاؤ۔"

حاتم گیدڑ سے بھیڑیئے کے گھر کا پتا لے کر اس کے پاس پہنچا اور اس سے کہا۔

"اے اللہ کے بندے تو ہر سال گیدڑ کے بچوں کو کیوں کھا جاتا ہے؟ بھیڑیے نے غرا کر کہا۔ تم میرے معاملے میں دخل دینے والے کون ہوتے ہو جاؤ۔ اپنی راہ لو نہیں تو گیدڑ کے بچوں کی طرح تجھے بھی مزا چکھا دوں گا۔"

حاتم نے بھیڑیے کو بہت سمجھایا۔ جب اس نے ایک نہ سُنی تو لپک کر اس کی گردن پکڑ لی اور اپنے خنجر سے اس کے سارے دانت اور ناخن توڑ کر چھوڑ دیا۔ بھیڑیا حاتم کے پاؤں پر گر پڑا۔ اور رو رو کر کہنے لگا اے نوجوان! تو نے یہ کیا کر دیا۔ اب میں اپنا شکار کس طرح کروں گا اور اپنا پیٹ کس طرح بھروں گا۔ پاس ہی گیدڑ کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اسے بھی بھیڑیے پہ ترس آیا۔ کہنے لگا۔ حاتم! تم نے مجھ پر جو احسان کیا ہے اس کے بدلے میں، میں وعدہ کرتا ہوں کہ جیتے جی بھیڑیے کو کھانے پینے کی تکلیف نہ ہونے دوں گا جس طرح اپنا پیٹ بھروں گا اس کا کھانا بھی روزانہ اس کے پاس پہنچاؤں گا۔ حاتم کو یہ بات سن کر اطمینان ہوا۔ اور وہ بھیڑیے کو تسلی دے کر گیدڑ کے ساتھ آ گیا۔ راستے میں گیدڑ نے حاتم سے کہا۔

"اے حاتم! مجھے معلوم ہے کہ تو کس کام سے گھر سے نکلا ہے۔ مجھے میرے بزرگوں کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ جس آواز کی تلاش میں تو نکلا ہے وہ دشتِ ہویدا سے آتی ہے دشت ہویدا کو یہاں سے دو راستے جاتے ہیں ایک راستہ دُور کا ہے ایک قریب کا۔ پاس کے راستے میں خطرے بہت ہیں دور کا راستہ خطروں سے خالی ہے۔"

حاتم نے کہا۔

"اے گیدڑ! میں اپنی منزل پر جلد از جلد پہنچنا چاہتا ہوں۔ اس لئے اللہ کا نام لے کر قریب والا راستہ اختیار کروں گا۔"

یہ کہہ کر حاتم گیدڑ سے رخصت ہوا اور اس کے بتائے ہوئے راستے پر چل پڑا۔ بہت دن چلنے کے بعد ایک جنگل ملا۔ وہاں کھڑے ہو کر سوچنے لگا کہ کدھر جاؤں، ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ سامنے سے ڈیڑھ دو سو ریچھ نکل آئے وہ آ کر حاتم کے پاس رک گئے اور بولے۔

"اس جنگل میں ریچھوں کی حکومت ہے تم ادھر کہاں آ نکلے؟ چلو ہمارے بادشاہ کے پاس چلو۔"

وہ ریچھ حاتم کو اپنے بادشاہ کے پاس لے چلے۔ حاتم کو دیکھ کر ریچھوں کے بادشاہ نے اس کا حال پوچھا، حاتم سب حال بتا چکا تو کہنے لگا۔

"تم خوب آئے حاتم! میرے ایک بیٹی ہے۔ میں مدتوں سے اس کی فکر میں ہوں بھلا تم سے اچھا شوہر اسے کہاں ملے گا چلو تمہاری اور اس کی شادی کر دیں۔"

حاتم ریچھ کی باتیں سن کر بڑا گھبرایا، سوچا کہ میں کہاں اور ریچھ کی بیٹی کہاں۔ اب کیا کروں۔ وہ سوچ ہی رہا تھا کہ ریچھ اٹھا اور حاتم کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے گیا وہاں جا کر حاتم نے دیکھا کہ ریچھ کی لڑکی تو سچ مچ شہزادی ہے اور حسن و خوب صورتی میں پریوں سے کم نہیں۔ حاتم نے اپنے دل میں سوچا کہ جس کی شادی اس پری سے ہو، اس کی قسمت پر رشک کرنا چاہئے لیکن میں تو منیر شامی کے کام نکلا ہوں اگر بیاہ رچا کر بیٹھ رہوں تو اس غریب پر بڑا ظلم ہو گا۔ یہ سوچ کر طے کیا کہ وہ شادی ہرگز نہیں کرے گا۔ اس لئے جب ریچھوں کے بادشاہ نے شادی کی بات چھیڑی تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ ریچھ نے لاکھ سمجھایا۔ پر نہ مانا۔ ریچھ نے غصّے میں آ کر اسے ایک غار میں قید کروا دیا کئی دن تک قید رکھ کر اپنے پاس بلوایا اور پوچھا۔ کہو اب کیا ارادہ ہے؟ حاتم نے کہا۔ مجھے تو جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔ اب جو تمہاری مرضی۔ ریچھوں کے بادشاہ نے یہ سنا تو حاتم کو پھر سے قید میں ڈلوا دیا۔ اس مرتبہ حاتم نے خواب دیکھا۔ کہ اس سے ایک بزرگ کہہ رہے ہیں۔ "اے حاتم! نادان نہ بن جب تک تو شادی نہیں کرے گا تیری رہائی مشکل ہے۔ اس لئے شادی کر لے اور تھوڑے دنوں بعد اپنی بیوی کی مدد سے منزل مقصود تک پہنچنے کی کوشش کر۔ حاتم نے یہ خواب دیکھا تو اس کے دل کو کچھ ڈھارس بندھی۔ اس مرتبہ جب ریچھوں کے بادشاہ نے اُسے اپنے پاس طلب کیا اور شادی کا ذکر کیا۔ تو حاتم راضی ہو گیا۔ اسی روز اس کا بیاہ ریچھوں کی شہزادی سے ہو گیا۔

حاتم کچھ دن شہزادی کے ساتھ رہا۔ آخر ایک دن اُس سے کہنے لگا "شہزادی! تمہیں معلوم ہے کہ میں گھر سے کس کام سے نکلا ہوں۔ یہ ٹھیک ہے کہ تمہارے ساتھ رہ کر مجھے زندگی کی ہر خوشی حاصل ہے۔ لیکن بے چارہ منیر شامی انتظار کی گھڑیاں گن گن کر کاٹ رہا ہو گا۔ اس لئے اگر تم اجازت دو تو اب دشت ہویدا جا کر وہ خدمت انجام دوں جس کے لئے یہ سفر اختیار کیا ہے۔"

شہزادی بولی۔

"مجھے آپ کے جانے سے رنج ہو گا۔ لیکن آپ کی خوشی اسی میں ہے تو ضرور جایئے، میں ابا جان سے پوچھ کر آپ کے سفر کا سامان کئے دیتی ہوں۔"

شہزادی یہ کہہ کر ریچھوں کے بادشاہ کے پاس گئی اور حاتم کو جانے کی اجازت دلوا دی۔ اور چلتے وقت اس کی پگڑی میں ایک مہرہ بندھوا دیا۔ اس کی تاثیر یہ تھی کہ جس کے پاس وہ مہرہ ہو نہ آگ اثر کرے، نہ پانی اور نہ کسی کا زہر۔ حاتم یہاں سے رخصت ہو کر جنگل بیابانوں میں سے گزرتا دشتِ ہویدا کی طرف بڑھا۔ ایک دن وہ ایسے ریگستان میں پہنچا کہ جہاں دور دور تک پانی کا نشان نظر نہ آتا تھا۔ شام ہو چکی تھی بھوک پیاس سے حاتم کا برا حال تھا کہ سامنے سے ایک پیر مرد آیا۔ اس نے حاتم کو دو روٹیاں دیں اور ایک آب خورہ پانی۔ حاتم نے روٹیاں کھائیں اور پانی پی کر خدا کا شکر ادا کیا۔ حاتم کئی دن اسی ریگستان میں سفر کرتا رہا ہر روز شام کو وہی پیر مرد دو روٹیاں اور ایک آب خورہ پانی کا دے جاتا اور حاتم سیر ہو کر خدا کا شکر بجا لاتا۔ اسی طرح حاتم کو اس ریگستان میں کئی دن گزر گئے۔

ایک دن اس نے دیکھا کہ سامنے سے ایک اژدہا منہ پھاڑے چلا آتا ہے اژدہا قریب آیا تو اس زور سے سانس لی کہ حاتم کھنچ کر اس کے پیٹ میں پہنچ گیا۔ اندر پہنچ کر حاتم نے سجدۂ شکر ادا کیا اور عاجزی سے خدا سے کہا۔

"اے میرے اللہ! تیری مرضی ہے جسے چاہے جلائے اور جسے چاہے مارے۔"

حاتم تو یہ دعا کر کے خاموش ہو گیا۔ اب خدا کی کرنی دیکھو۔ ریچھوں کی شہزادی نے حاتم کو جو مہرہ دیا تھا۔ اس کی تاثیر سے اژدہے کے زہر نے حاتم پر کوئی اثر نہ کیا۔ تین دن تک اژدہے کے پیٹ میں اِدھر سے اُدھر گھومتا رہا۔ اژدہا بڑا گھبرایا اور سوچنے لگا کہ میں نے یہ کیا چیز کھا لی کہ کسی طرح ہضم ہونے کا نام نہیں لیتی اس سے بہتر تو یہ ہے کہ اسے اگل دوں۔ یہ سوچا اور حاتم کو اگل کر باہر نکال دیا، حاتم زندہ سلامت باہر نکلا تو خدا کا شکر ادا کیا۔ دھوپ میں کھڑے ہو کر اپنے کپڑے سکھائے۔ اور آگے چل پڑا۔ حاتم ابھی تھوڑی دور ہی گیا تھا۔ کہ سامنے ایک تالاب نظر آیا۔ پیاسا تھا۔ اس لئے دوڑ کر تالاب کے کنارے جا بیٹھا ابھی اسے وہاں بیٹھے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ایک عجیب طرح کی مچھلی پانی سے باہر نکلی۔ اس کا آدھا نچلا دھڑ تو مچھلی کا سا تھا اور اوپر کا آدھا انسان کا۔ حاتم خدا کی یہ صنعت دیکھ کر عش عش کرنے لگا۔ اتنے میں مچھلی اس کے قریب آئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتی ہوئی اسے تالاب کے اندر لے گئی۔ وہاں لے جا کر اس کی بہت خاطر تواضع کی۔ اسے تین چار دن مہمان رکھا اور پھر لا کر تالاب کے کنارے چھوڑ گئی۔ حاتم نے وہاں بیٹھ کر اپنے کپڑے دھوئے۔ دھوپ میں سکھائے اور پہن کر آگے چلا۔

حاتم مدتوں اسی طرح چلتا رہا۔ آخر ایک ایسے پہاڑ پر پہنچا۔ جہاں ہر طرف نہریں بہہ رہی تھیں اور ہزاروں سایہ دار درخت پھلوں اور پھولوں سے لدے ہوئے کھڑے تھے حاتم

کا جی اس پُر فضا جگہ کو دیکھ کر چاہا کہ پڑ کر سو رہے۔ ایک نہر کے کنارے لیٹتے ہی اُسے نیند آ گئی۔ آنکھ کھلی تو دیکھا کہ پاس ہی ایک بزرگ بیٹھے ہیں کہ چہرے سے نور ٹپکتا ہے۔

حاتم نے دیکھتے ہی جُھک کر سلام کیا۔ بزرگ نے سلام کا جواب دے کر پوچھا۔

"اے نوجوان! تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو۔ اور کہاں کا ارادہ ہے۔"

حاتم نے اپنا سارا حال سنایا تو بزرگ نے کہا۔

"اے نوجوان! مجھے تیرے حال پر ترس آتا ہے۔ دشتِ ہویدا تک جا کر کوئی آج تک جیتا نہیں لوٹا۔ تو کیوں ناحق اپنی جان گنواتا ہے"؟

حاتم نے کہا۔

"اے بزرگ میں نے یہ سفر کسی دوسرے کی خاطر اختیار کیا ہے۔ اپنی سی کوشش ضرور کروں گا۔ آگے جو اللہ کی مرضی!"

بزرگ نے حاتم کی یہ باتیں سنیں تو کہا۔

"اے نوجوان! ضرور تو حاتم ہے جو دوسروں کے لئے یوں اپنے آپ کو مصیبتوں میں ڈالتا ہے۔ جا اللہ ضرور تیری مشکل آسان کرے گا۔ لیکن کچھ باتیں میری یاد رکھ۔ اگر ان پر عمل کریگا تو ہر دکھ سے بچا رہے گا۔

حاتم نے کہا۔

"اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ جو نصیحت کریں گے۔ اُن پر عمل کروں گا۔ فرمائیے"

بزرگ نے کہا۔

"جب وقت تو دشتِ ہویدا کے پاس پہنچے گا۔ بہت سی پریاں آئیں گی اور تجھے اپنے ساتھ لے جائیں گی۔ جہاں وہ تجھے لے جائیں ان کے ساتھ چلے جانا۔ لیکن خبردار ان کی طرف توجہ مت کرنا اور ایک ہفتہ تک اُن میں سے کسی کو کسی کام کے لئے نہ کہنا ورنہ ساری عمر کیلئے اس طلسم میں پھنس کر رہ جائے گا۔"

حاتم نے بزرگ کی باتیں بڑے دھیان سے سُنیں اور اُسے سلام کر کے اُس کے بتائے ہوئے راستے پر چل نکلا۔ کئی دن سفر کرنے کے بعد ایک خوب صورت تالاب کے کنارے پہنچا۔ کنارے پر بیٹھ کر پانی پینے لگا۔ اتنے میں ایک خوب صورت عورت پانی میں سے نکلی، حاتم کا ہاتھ پکڑا۔ اور پانی میں غوطہ مارا۔ تھوڑی دیر میں دونوں ایک ہرے بھرے شاندار باغ میں پہنچے۔ حاتم ابھی باغ کا حسن دیکھ کر حیران ہی ہو رہا تھا کہ سامنے سے ہزاروں پریوں کا ایک غول نظر آیا۔ سب سر سے پیر تک گہنے سے لدی ہوئی تھیں اور ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈال کر ایک گھیرا سا بنا رکھا تھا۔ دیکھتے دیکھتے وہ پریاں حاتم کے پاس آ گئیں ہر ایک نے اسے اپنی طرف کھینچا۔ لیکن حاتم کو بزرگ کی نصیحت یاد تھی اس نے کسی طرف دھیان نہ دیا۔ پریوں نے حاتم کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور ایک مکان میں لے گئیں جو سارے کا سارا قیمتی جواہرات کا بنا ہوا تھا۔ بیچ میں ایک مرصع تخت بچھا تھا۔ اور دیواروں پر آدم قد تصویریں نقش تھیں۔

حاتم کھڑا یہ تماشہ دیکھ رہا تھا کہ دیواروں کی تصویروں میں جان پڑ گئی اور دیکھتے دیکھتے وہ تصویریں پریاں بن گئیں جو پریاں حاتم کو گھیر کر لائی تھیں، وہ سب کی سب تصویریں بن کر دیوار میں جذب ہو گئیں۔ حاتم یہ سارا طلسم کا کارخانہ حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ اسی حیرت کے عالم میں کھڑے کھڑے اس مرصع تخت پر بیٹھ گیا۔ اس کے تخت پر بیٹھتے ہی ایک پری جو ان میں سب سے زیادہ خوب صورت تھی تخت کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی اور اپنے چہرے پر نقاب ڈال لی۔ حاتم نے چاہا کہ اُٹھ کر اس کے چہرے کا نقاب الٹ دے اور اس طلسم کا بھید پوچھے لیکن بزرگ کی نصیحت یاد کر کے وہیں بیٹھا رہا۔ تین دن اور تین راتیں اسی طرح گزر گئیں۔ جب رات ہوتی سارا محل کافوری شمعوں سے جگمگا اٹھتا۔ ہر طرف سے گانے بجانے کی آوازیں آنے لگتیں اور دیواروں کا نقش بنی ہوئی ہزاروں پریاں وہاں سے نکل کر گانے بجانے لگتیں۔ وہ پری جو سب میں حسین تھی اور بظاہر ان پریوں کی سردار معلوم ہوتی تھی اس طرح تخت کے سامنے کھڑی مسکراتی رہتی تھی۔

حاتم تین دن اسی طرح ایک جگہ بیٹھے بیٹھے اکتا گیا تو چوتھے دن صبح کو اُٹھ کر اس پری کا ہاتھ تھام لیا۔ ہاتھ پکڑتے ہی تخت کے نیچے سے ایک اور پری نکلی اور اس نے اس زور سے حاتم کے ایک لات جمائی کہ وہ کہیں کا کہیں جا پڑا۔ ہوش ٹھکانے ہوئے تو دیکھا کہ نہ وہ باغ ہے نہ محل، نہ وہ پریاں ہیں اور نہ وہ طلسمات کا عالم۔ بس ایک لق و دق میدان میں کھڑا ہے سمجھ گیا کہ دشتِ ہویدا یہی ہے۔ اتنے میں ایک طرف سے وہی آواز آئی جسے سننے کے لئے اس نے اتنی مصیبتیں جھیلی تھیں۔ جدھر سے آواز آئی تھی دوڑتا ہوا ادھر کو گیا۔ تھوڑی دور جا کر دیکھا کہ ایک فقیر بیٹھا ہے اور تھوڑی تھوڑی دیر میں چلا کر یہ بات زبان سے نکالتا ہے

"ایک بار دیکھا ہے، دوسری بار دیکھنے کی ہوس ہے"!

حاتم اس فقیر کے سامنے گیا۔ سلام کیا اور بیٹھ گیا۔ فقیر نے سلام کا جواب دیا اور پوچھا کہ تم کون ہو اور یہاں کیسے آئے؟ حاتم نے اپنا سارا قصہ شروع سے آخر تک سنا دیا۔ فقیر نے کہا۔ اے نوجوان! تو بڑی ہمت والا ہے۔ جو اتنی مصیبتیں جھیل کر یہاں پہنچا۔ لے میں تجھے اپنا حال سناتا ہوں۔ یہ کہہ کر اپنی داستان اس طرح سنائی۔

"اے نوجوان! میں گھر سے سفر کے ارادے سے نکلا تھا۔ سیر کرتے کرتے ایک تالاب کے کنارے جا پہنچا۔ اس کی خوب صورتی دیکھ کر سیر کی خاطر تھوڑی دیر کو بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک پری آئی اور مجھے تالاب میں کھینچ کر لے گئی۔ تالاب کے اندر جا کر جو باغ، جو محل اور جو پریاں دیکھیں، انہیں اچھی طرح دیکھنے نہ پایا تھا۔ کہ ایک پری کی لات کھا کر دشت میں آن پڑا۔ اب جی چاہتا ہے کہ ایک دفعہ پھر ساری بہار دیکھوں۔"

حاتم فقیر کی باتیں سن کر سمجھ گیا کہ اس پر بھی وہی کچھ گذری ہے جو میرے ساتھ پیش آئی تھی اس لئے اُسے دلاسا دے کر کہنے لگا کہ اُٹھو میں تمہیں وہ سیر ایک بار پھر دکھا دوں۔ یہ کہہ کر اسے اسی تالاب کے کنارے لے گیا۔ جہاں چند دن پہلے خود جا کر بیٹھا تھا اور فقیر سے کہنے لگا۔

"دیکھو یہ وہی تالاب ہے جو چند دن پہلے تم دیکھ چکے ہو۔ اس کے کنارے بیٹھ جاؤ۔ ابھی کوئی پری آ کر تمہیں تالاب میں کھینچ کر لے جائے گی اور سارا سماں پھر تمہاری آنکھوں کے سامنے ہوگا۔ جیسے دیکھنے کی ہوس تمہارے دل میں ہے"!

فقیر نے اسے بہت دعائیں دیں اور حاتم اسے تالاب کے کنارے چھوڑ کر شاہ آباد کی طرف روانہ ہوا۔ واپسی میں فقیر سے ملا۔ دو چار روز مچھلی کا مہمان رہا۔ کچھ دن ریچھوں والی شہزادی کے ہاں رہا۔ اور پھر گیدڑوں سے ملتا ہوا چند روز میں شاہ آباد پہنچ گیا۔ حاتم شاہ آباد آیا تو لوگ اسے فوراً حسن بانو کے پاس لے گئے حسن بانو اُسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور پوچھا کہ اے حاتم! ہمارے سوال کا کیا جواب لایا؟ حاتم نے جو کچھ دیکھا تھا شروع سے آخر تک سنا دیا۔ حسن بانو اور اس کی دائی نے حاتم کی ہمت پر ہزار آفریں کی اور کہا کہ اب تم کچھ دن سستا لو پھر دوسرا سوال بتائیں گی۔ حاتم سلام کر کے سرائے گیا۔ وہاں جا کر منیر شامی سے ملا اور اسے بھی سارا حال سنایا۔ وہ بھی بہت خوش ہوا۔ اور کہنے لگا۔ اے حاتم! تیرے اس احسان کا بدلہ ساری عمر نہ چکا سکوں گا۔

حاتم کا جانا اور دوسرے سوال کا جواب لانا

تین چار روز آرام کر کے حاتم حسن بانو کے پاس پہنچا اور اس سے کہا اب بتاؤ تمہارا دوسرا سوال کیا ہے حسن بانو نے کہا "ایک

شخص نے اپنے دروازے پر لکھا رکھا ہے: "نیکی کر دریا میں ڈال"۔ اس کا کیا مطلب ہے۔؟ حاتم نے پوچھا "کیا تم بتا سکتی ہو کہ وہ شخص کون ہے اور کہاں رہتا ہے۔ حسن بانو بولی۔ میں نے اپنی دائی سے سُنا ہے کہ وہ شخص یہاں سے شمال کی طرف رہتا ہے۔ یہ بات پوچھ کر حاتم نے اللہ کا نام لیا اور شمال کی طرف چل پڑا۔ کئی دن تک بھیانک جنگلوں میں چلتا رہا۔ آخر ایک دن ایک درخت کے نیچے ستانے بیٹھ گیا۔ ابھی بیٹھے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ پاس سے کسی کے اس طرح رونے کی آواز آئی کہ حاتم کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ حاتم آواز کی طرف چلا۔ تھوڑی دور جا کر دیکھا کہ ایک نوجوان زمین پر بیٹھا زار و قطار رو رہا ہے حاتم نے حال پوچھا تو رو کر کہنے لگا۔

"اے مسافر! اپنا حال تجھے کیا سناؤں۔ یہاں سے بارہ کوس کے فاصلے پر ایک شہر ہے۔ وہاں حارس نامی ایک سوداگر رہتا ہے۔ اس کی ایک لڑکی ہے جو حسن میں خود پری سے بڑھ کر ہے۔ میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آتی اس لئے سوچا ہے کہ یوں ہی اس جنگل میں رو رو کر اپنی جان دے دوں گا۔"

حاتم نے کہا۔

"اے نوجوان! اتنا مایوس نہ ہو۔ ممکن ہے اللہ کوئی صورت پیدا کرے۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ وہ تم سے شادی کیوں نہیں کرتی؟"

نوجوان نے کہا۔

"لڑکی کے تین سوال ہیں۔ وہ کہتی ہے کہ جو کوئی اس کے تین سوالوں کا جواب دے گا اسی سے شادی کرے گی۔"

حاتم نے کہا۔

اگر یہ بات ہے تو غم مت کرو۔ چلو میرے ساتھ اس سوداگر کی حویلی تک چلو۔ بغرض حاتم اور وہ نوجوان حارس سوداگر کی حویلی تک چلے۔ چند گھنٹوں میں وہاں تک پہنچ گئے۔ نوجوان کو حاتم نے سرائے میں ٹھہرایا۔ اور خود سوداگر کے دروازے پر جا کر پیغام بھجوایا۔ کہ ایک شخص شادی کرنے آیا ہے۔ لڑکی نے حاتم کو اندر بلا لیا اور خود پردے کے پیچھے بیٹھ گئی حاتم نے اس سے کہا۔ اے نیک بخت تیرے سوال کیا ہیں؟ اس نے کہا میرے تین سوال ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ اس شہر کے قریب ایک غار ہے اس کا حال کسی کو نہیں معلوم۔ میں چاہتی ہوں کہ اس غار کا پورا حال معلوم ہو۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ جمعہ کی رات کو جنگل میں سے ایک آواز آتی ہے کہ افسوس میں نے وہ کام نہ کیا جو آج کی رات میرے کام آتا۔ یہ آواز کس کی ہے اور اس کا مطلب کیا ہے۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ سانپ کے منہ میں مہرہ ہے وہ مجھے لا دے۔"

حاتم نے کہا۔

"اے سوداگر کی بیٹی! اللہ نے چاہا تو تیرے سوالوں کا جواب لاؤں گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ جواب لانے کے بعد مجھے تم پر پورا اختیار ہوگا۔ چاہوں خود تم سے شادی کروں، چاہوں کسی اور سے بیاہ دوں۔"

سوداگر کی بیٹی نے کہا۔ یہ شرط مجھے منظور ہے۔ حاتم یہ قول قرار کر کے واپس سرائے میں آیا۔ نوجوان کو دلاسا دیا اور شہر کے کچھ لوگوں کے ساتھ غار کی طرف چلا۔ شہر کے باہر جا کر لوگوں نے حاتم کو وہ غار دکھا دیا۔ اس کا منہ چوڑے کنوئیں کی طرح تھا۔ حاتم نے اللہ کا نام لیا اور اس غار میں کود پڑا۔ ایک دن اور ایک رات تک اس میں چکر کھاتا رہا۔ تب کہیں جا کر زمین پر پیر ٹیکے۔ حاتم نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو سامنے ایک صاف شفاف تالاب نظر آیا۔ تالاب کے دوسری طرف ایک دیوار کھڑی تھی کہ جہاں تک نظر جاتی تھی اس کی لمبائی اور چوڑائی کا کوئی چھور دکھائی نہ دیتا تھا۔ حاتم دیوار کی طرف چلا پاس جا کر دیکھا تو اس میں ایک دروازہ نظر پڑا۔ حاتم اس دروازے میں داخل ہو گیا۔ دیکھا کہ ایک بستی ہے جس کے مکان سب کے سب خالی شان ہیں۔ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کرے کہ سامنے سے ہزاروں دیو آتے دکھائی دیئے وہ سب کے سب حاتم کو دیکھ کر اس طرف دوڑے چاہتے تھے کہ اس کی بوٹیاں کر کے کھا جائیں۔ ایک دیو نے کہا۔

"یارو! یہ آدم زاد ہے۔ اس کا گوشت بڑا مزے دار ہوتا ہے آؤ اسے ہلاک کر کے کھا جاتے ہیں۔ مگر بادشاہ کو خبر نہ ہو کہ ہم اسے مار کر کھا گئے۔ نہیں تو بڑی سخت سزا دے گا"

دیووں نے بات سنی۔ تو حاتم کو وہیں چھوڑ کر چلے گئے۔ حاتم وہاں سے آگے بڑھا تو ایک اور بستی میں پہنچا۔ اندر گیا تو پتا چلا کہ یہ بستی بھی دیووں کی ہے۔ یہاں بھی دیو اسے کھانے کو لپکے۔ لیکن ایک دیو نے کہا۔

"دوستو یہ آدم زاد ہے۔ اسے مت کھاؤ۔ ہمارے سردار کی بیوی بیمار ہے۔ اسے وہاں لے چلو۔ شاید اس کے علاج سے اچھی ہو جائے۔"

یہ بات سب کو پسند آئی۔ اور وہ سارے دیو حاتم کو لیکر اپنے سردار کے پاس پہنچے سردار نے حاتم سے کہا۔ اے نوجوان! میری بیوی کی آنکھوں میں سخت تکلیف ہے اور کسی طرح سے ٹھیک نہیں ہو رہی۔ حاتم نے فوراً مہرہ پگڑی سے کھولا۔ اسے پانی میں ڈال کر وہ پانی سردار کی بیوی کی آنکھوں سے لگایا۔ فوراً آنکھوں کا درد جاتا رہا۔ سردار بہت خوش ہوا۔ اور اسے لے کر بادشاہ کی خدمت میں پہنچا۔ اور اس کی بہت تعریف کی۔ بادشاہ نے کہا۔ اے شخص! مجھے مدتوں سے پیٹ کے درد کی شکایت ہے۔ بہت علاج کئے۔ کوئی فائدہ نہیں ہوا اگر تو میرا علاج کر دے تو زندگی بھر تیرا احسان نہیں بھولوں گا۔ حاتم نے کہا۔

"اے بادشاہ! شفا تو اللہ کے ہاتھ میں ہے لیکن میں اپنی سعی کر کے دیکھتا ہوں۔ پہلے مجھے یہ بتائیے کہ آپ کے کھانا کھانے کا طریقہ کیا ہے؟"

بادشاہ نے کہا۔

"سب امیروں وزیروں کے ساتھ مل کر کھاتا ہوں۔"

حاتم نے کہا۔

"بہت اچھا جس وقت آپ کھانا کھائیں۔ مجھے وہاں حاضر رہنے کی اجازت دیجئے۔"

بادشاہ نے کہا۔ بہت اچھا۔ چنانچہ کھانے کے وقت بادشاہ نے حاتم کو بھی ساتھ لیا اور دسترخوان پر جا کر بیٹھ گیا۔ وہاں بیسیوں قسم کے کھانے چنے گئے۔ بادشاہ نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا تو حاتم نے اسے روک دیا۔ اور کہا کہ ذرا سی دیر توقف فرمائیے بادشاہ رک گیا تو حاتم نے ایک قاب سے سرپوش اٹھایا۔ اور دسترخوان پر جتنے لوگ بیٹھے تھے۔ انہیں دکھا کر ڈھک دیا۔ تھوڑی دیر بعد قاب کھولی تو کھانے کی بجائے کیڑوں سے بھری پڑی تھی۔ بادشاہ یہ بات دیکھ کر حیرت میں رہ گیا۔ حاتم نے کہا۔

"بادشاہ سلامت! اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ یہ ان لوگوں کی نظر کا اثر ہے جو آپ کے ساتھ کھانے میں شریک ہے۔ اس لئے اگر آپ اکیلے بیٹھ کر کھایا کریں۔ تو آپ کے پیٹ کی ساری تکلیف جاتی رہے۔"

اگلے دن بادشاہ نے یہی کیا تو دو تین دن میں اس کے پیٹ کا درد اچھا ہو گیا۔ حاتم کو گلے لگا کر کہنے لگا۔ اے نوجوان! بول کیا مانگتا ہے؟ حاتم نے کہا۔

"اے بادشاہ! میرے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ بس اتنا ہے کہ جو آدم زاد تیرے پاس قید ہیں ان کی رہائی کا حکم صادر کر دو۔"

بادشاہ نے فوراً حکم دیا۔ سارے قیدی حاضر کئے گئے۔ بادشاہ نے ان کی رہائی کا حکم دیا اور خلعت و اشرفیاں دے کر رخصت کیا۔ اس کے بعد حاتم سے کہنے لگا۔

"اے نوجوان! تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا جو میرے پیٹ کا درد اچھا کیا۔ اب ایک مہربانی اور کر۔ میری لڑکی مدتوں سے بیمار ہے۔ نہ کچھ کھاتی ہے نہ پیتی ہے اگر اسے دیکھ کر اسے اچھا کرنے کی کوئی تدبیر کرے تو ساری عمر کے لئے تیری غلامی قبول کر دوں گا۔"

حاتم نے کہا۔ چلیئے لڑکی کو دکھایئے۔ بادشاہ حاتم کو محل میں لے گیا۔ حاتم نے اُسے بھی مہرے کا پانی پلایا۔ اسی طرح ہفتہ بھر وہ اسے پانی پلاتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ بالکل اچھی ہو گئی اور اس کا چہرہ کندن کی طرح دمکنے لگا۔ اور حاتم بادشاہ سے اجازت لیکر غار کے باہر آیا۔ بادشاہ نے چلتے وقت بیشمار زروجواہر اس کے ساتھ کئے۔

حاتم حارس سوداگر کی بیٹی کے پاس آیا۔ اور اسے غار کا سارا حال سنا کر اس آواز کی کھوج میں چلا جو ہر جمعہ کی رات کو جنگل کی طرف سے آتی تھی۔ حاتم بہت دن بعد ایک گاؤں میں پہنچا۔ دیکھا کہ وہاں کا ہر شخص رو رہا ہے لوگوں سے رونے کا سبب پوچھا تو کہنے لگے ہر مہینے کی سات تاریخ کو یہاں ایک بلا آتی ہے اور ایک آدمی کو کھا جاتی ہے اس مرتبہ ہمارے سردار کے لڑکے کی باری ہے۔ اس لئے ہم سب رو رہے ہیں۔ یہ بات سُن کر حاتم سردار کے پاس گیا اور اسے دلاسا دے کر کہنے لگا۔ کہ اس مرتبہ تمہارے بیٹے کی جگہ میں اس بلا کے پاس جاؤں گا۔ لیکن مجھے بتاؤ۔ کہ وہ کتنی بڑی ہے اور اس کی شکل صورت کیسی ہے؟ سردار نے اس کی تصویر کھینچ کر دکھا دی۔ حاتم نے کہا۔

"جو میں کہوں وہ کرتے جاؤ۔ انشاء اللہ اس بلا سے چھٹکارا پاؤ گے۔"

سردار نے کہا جو تمہارا حکم ہوگا بجا لائیں گے تم کہو۔ حاتم نے سردار سے کہہ کر سو گز لمبا اور سو گز چوڑا ایک آئینہ بنوایا۔ اسے لیکر اس میدان میں رکھ دیا۔ جہاں بلا آیا کرتی تھی۔ اس پر ایک چادر ڈھک دی اور جب اس بلا کے آنے کا وقت ہوا۔ تو چھپ کر آئینہ کے پیچھے بیٹھ گیا۔ آدھی رات کو بلا آئی۔ حاتم نے چپکے سے چادر آئینہ پر سے سرکا دی۔ بلا نے آئینہ میں جو اپنا عکس دیکھا تو اس زور سے چلائی۔ کہ بستی کے سارے لوگ ڈر گئے اس نے غصہ میں اُچھلنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ذرا سی دیر میں اس کا پیٹ پھٹ گیا اور وہ بے جان ہو کر زمین پر گر پڑی۔ پیٹ پھٹنے کی آواز اتنی بھیانک تھی کہ شہر کے سب لوگ بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو پتا چلا کہ بلا مر گئی تو سب خوش ہو کر حاتم کے پاس آئے۔ سردار حاتم کے پیروں پر گر پڑا اور بولا۔ جو زروجواہر کہو خدمت میں حاضر کر دوں۔ حاتم نے کہا۔ صاحب مجھے زرو مال نہیں چاہیئے۔ میں تو جس کام کو نکلا ہوں اس کی دھن سوار ہے۔ سردار نے پوچھا وہ کام کیا ہے حاتم نے اسے اپنا قصہ بتایا۔ سردار بولا کہ یہ آواز تو ہم بھی ہر رات سنتے ہیں لیکن اس کا حال کسی کو نہیں معلوم۔ حاتم نے کہا کہ میں آج کی رات یہاں ٹھہر کر آواز سنوں گا۔

غرض حاتم رات کو اس بستی میں رہا۔ آدھی رات کو آواز اس کے کان میں آئی۔ کوئی بڑے دردبھرے طریقے سے کہہ رہا تھا: "افسوس میں نے وہ کام نہیں کیا جو آج کی رات میرے کام آتا۔" حاتم نے وہ آواز سنی تو اس طرف کو چلا۔ کئی دن رات چلتے چلتے ایک قبرستان میں پہنچا۔ بڑی صاف ستھری جگہ تھی۔ سوچا کہ رات کو یہیں آرام کر لوں گا۔ اینٹوں کا تکیہ بنایا اور ایک کونے میں پڑ رہا۔ آدھی رات کے قریب ایک عجیب طرح کا تماشا نظر کے سامنے آیا۔ ایک ایک کر کے سب قبروں کے منہ کھلے۔ ہر ایک میں سے ایک سفید پوش بزرگ نکلا۔ ایک نے نکل کر میدان میں چاندنی کا فرش کر دیا۔ سب سفید پوش بزرگ اس فرش پر آ کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک شخص ایک ٹوٹی ہوئی قبر سے نکلا۔ اس کے کپڑے دوسروں کی طرح اجلے نہ تھے۔ چہرے سے بھی رنج و غم ٹپک رہا تھا۔ وہ بھی آ کر چاندنی سے الگ خاک پر بیٹھ گیا۔

اتنے میں قہوے کا دور چلا۔ جب کسی نے قہوہ کا پیالہ اُسے نہ دیا تو اس نے بڑی حسرت سے کہا۔

"افسوس! میں نے وہ کام نہ کیا جو آج کی رات میرے کام آتا!"

اتنے میں غیب سے خوان آنے شروع ہوئے۔ ہر ایک میں ایک پیالہ کھیر کا اور ایک کوزہ ٹھنڈے پانی کا تھا۔ جو پیالہ اس آدمی کے سامنے آیا اس میں سنگریزے تھے کوزہ پانی کی جگہ خون سے بھرا تھا۔ حاتم یہ سارا تماشہ دیکھ رہا تھا کہ ایک بزرگ نے اُسے بھی کھیر کا پیالہ اور پانی کا کوزہ دیا۔ حاتم نے اس بزرگ سے کہا۔

"اے پیرمرد! تمہاری مہربانی کہ میرے لئے کھیر اور ٹھنڈا پانی لائے لیکن اس غریب نے کیا قصور کیا ہے۔ کہ کھیر کی جگہ سنگریزے اور پانی کی جگہ خون دیتے ہو؟"

بزرگ نے کہا۔ اے نوجوان! اس کا حال ہم میں سے کسی کو معلوم نہیں۔ بہتر ہے۔ کہ اسی شخص سے جا کر پوچھو۔ حاتم نے یہ بات سنی تو اٹھ کر اس میلے کچیلے آدمی کے پاس جا کر سلام کر کے بیٹھ گیا اور جو دیکھا اور سنا تھا اس کا حال اس سے پوچھا۔ حاتم کی بات سن کر اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور وہ رو رو کر حاتم سے کہنے لگا۔

"اے نوجوان مرد! میرا نام یوسف سوداگر ہے۔ اور ان سب لوگوں کا سردار ہوں جو سامنے بیٹھے ہیں۔ میں نے زندگی میں لاکھوں روپے کمائے۔ لیکن اللہ کے نام پر ایک کوڑی بھی خرچ نہ کی۔ لوگوں نے مجھے جو نیکی کی بات سمجھائی تو اس پر بھی کبھی کان نہ دھرا۔ ایک دن ہم لوگ مال تجارت لے کر اس جنگل سے گذر رہے تھے۔ کہ ڈاکو ہم پر آ پڑے۔ ہم سب کو مار کر یہاں دفن کر دیا۔ اور مرنے کے بعد میرا یہ حشر ہوا۔ اور میرے سرداروں کو ان کی نیکی کے عوض یہ مرتبہ ملا۔ اے نوجوان! میرا وطن چین ہے اور میری اولاد کا یہ حال ہے کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے کو محتاج ہے۔"

حاتم نے سوداگر کی روئیداد سنی تو اسے بڑا رنج ہوا۔ کہنے لگا۔ کہ یوسف! کیا کوئی ایسی ترکیب ہے کہ تیرا یہ دکھ دور ہو؟ سوداگر نے کہا۔

"ہاں ایک صورت میری نجات کی ہے۔ اور وہ یہ کہ میری بے شمار دولت ایک جگہ دفن ہے۔ اگر کوئی وطن پہنچ کر اس میں سے تھوڑی سی میری اولاد کو دے اور باقی اللہ کی راہ میں بانٹ دے تو امید ہے کہ مجھ پر اللہ کی رحمت ہو۔ اور میرے بُرے دن ختم ہوں۔"

حاتم نے کہا۔ اے میرے عزیز! میں آج ہی تیرے وطن جانے کی ترکیب کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر حاتم نے اللہ کا نام لیا اور ملک چین کی طرف چل پڑا۔ چلتے چلتے ایک جگہ پہنچا۔ سامنے کنواں نظر آیا۔ ایک آدمی پانی بھر رہا تھا۔ چاہا کہ اس سے پانی مانگ کر پیئے کہ اتنے میں کنوئیں میں سے ایک سانپ نے منہ نکالا۔ اور اس آدمی کی کمر کو پکڑ کر کنوئیں میں کھینچ لیا۔ حاتم نے جب یہ دیکھا تو آنکھیں بند کر کے جھٹ کنوئیں میں کود پڑا۔ جب پیر زمین پر آ کر ٹکے تو حاتم نے آنکھیں کھول دیں۔ دیکھا کہ ایک وسیع میدان میں کھڑا ہے۔ چاروں طرف ہرے بھرے درخت ہیں اور سامنے ایک عالی شان محل کھڑا ہے۔ محل کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ حاتم اس میں داخل ہو گیا۔ دیکھا کہ بلور کے تخت پر ایک شخص سو رہا ہے اتنے میں وہی سانپ حاتم کی طرف لپکا۔ حاتم نے لپک کر دونوں ہاتھوں سے اس زور سے دبایا کہ وہ چیخ اٹھا۔ اس کی چیخ سے تخت پر سوتا ہوا آدمی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور بولا۔

"اے عزیز! کیا کرتا ہے سانپ کو چھوڑ دے۔"

حاتم نے کہا۔ خدا کی قسم اگر اس نے مسافر کو نہ چھوڑا تو اسے جیتا نہ چھوڑوں گا۔ حاتم نے ابھی بات پوری بھی نہ کی تھی کہ سانپ نے نہ جانے کیسے حاتم کو نگل لیا۔ حاتم اس کے پیٹ میں پہنچا تو کسی کو کہتے ہوئے سنا۔

"حاتم! یہ طلسم بہت بڑا ہے۔ تو اس میں سے صرف اس طریقے سے نکل سکتا ہے کہ اپنے خنجر سے اس سانپ کا پیٹ پھاڑ دے۔"

حاتم نے ایسا ہی کیا۔ ایسا کرتے ہی زمین سے ایک چشمہ اُبلنے لگا اور حاتم اس میں تیرنے لگا۔ دو تین غوطے کھا کر ایک وسیع صحرا میں پہنچ گیا۔ دیکھا کہ وہاں بہت سے آدمی کھڑے ہیں جو سوکھ کر کانٹا ہو رہے ہیں۔ ان میں وہ مسافر بھی ہے جسے سانپ نے پکڑا تھا۔ حاتم نے سب سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ ان سب کو بھی سانپ ہی نے پکڑا تھا۔ حاتم نے کہا۔ اے دوستو! خدا کا شکر ادا کرو کہ تم اس طلسم سے آزاد ہوئے۔ اب اپنے اپنے گھر کی راہ لو۔ وہ سب حاتم کو دعا دیتے ہوئے کوئی ادھر کوئی اُدھر کو چل نکلا۔ اور حاتم پھر ملک چین کی طرف چل پڑا۔ چند دن میں ایک عالی شان شہر کے دروازے پر پہنچا۔ لوگ اسے پکڑ کر فوراً بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ کو دیکھ کر حاتم غصے سے کہنے لگا۔ اے بادشاہ! تیرے شہر کا نرالا دستور ہے کہ مسافر کو آرام دینے کی جگہ اسے یوں پکڑ کر لاتے ہیں۔ بادشاہ حاتم کی بات سن کر رونے لگا اور بولا۔ اے مسافر! تیری بات ٹھیک ہے۔ لیکن ہم سب ایک بلا کے ہاتھوں گرفتار ہیں۔ حاتم نے پوچھا کہ وہ بلا کون سی ہے؟ بادشاہ نے کہا۔

"وہ بلا خود میری لڑکی ہے جو نہ جانے کس طلسم میں گرفتار ہے کہ جو مسافر اس شہر میں آتا ہے۔ اس سے دو سوال کرتی ہے۔ مسافر سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔ اور مارا جاتا ہے اسی لئے میں نے اس شہر کا نام عدل آباد سے بدل کر بیداد نگر رکھ دیا ہے۔"

حاتم نے کہا مجھے اپنی لڑکی کے پاس لے چلو۔ بادشاہ حاتم کو لیکر محل میں آ گیا۔ حاتم نے دیکھا کہ تخت پر ایک شہزادی بیٹھی ہے۔ حوروں اور پریوں جیسی صورت ہے۔ حاتم اُس کے پاس بیٹھ گیا۔ شہزادی نے بھی اس سے بڑی اچھی اچھی باتیں کیں۔ دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ رات ہو گئی۔ کھانا آیا۔ سب نے ہنسی خوشی کھایا اور پھر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ باتیں کرتے کرتے آدھی رات ہو گئی۔ آدھی رات ہوتے ہی سب آدمی محل سے باہر نکل گئے حاتم اور شہزادی کے سوا وہاں کوئی نہ رہا۔ دیکھتے دیکھتے شہزادی دیوانوں کی طرح گھورنے لگی اور حاتم کے پاس آ کر بولی۔

"اے مسافر! کیا تجھے اپنی جان پیاری نہیں تھی جو یہاں آیا؟ اچھا ہمارے سوال کا جواب دے۔ یہ سمجھ لے کہ تیری موت تجھے یہاں لائی ہے۔"

حاتم نے کہا تیرے سوال کیا ہیں؟ شہزادی نے کہا۔

"پہلا سوال یہ ہے کہ وہ کون سا میوہ ہے جو میووں میں سب سے زیادہ میٹھا تھا؟"

حاتم نے کہا۔

"وہ میوہ اولاد ہے"

شہزادی نے کہا۔

اچھا بتا۔ وہ کیا چیز ہے جو ہر ایک کو کھا لیتی ہے؟

حاتم نے کہا۔

"وہ چیز موت ہے۔"

یہ جواب سنتے ہی لڑکی کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ شہزادی کے گرتے ہی ایک کالا سا سانپ اس کے بدن میں سے نکلا اور حاتم کی طرف لپکا۔ حاتم نے جھٹ وہ مہرہ جو پگڑی میں بندھا ہوا تھا اپنے منہ میں رکھ لیا۔ جونہی سانپ نے اس پر حملہ کیا اس نے گردن مروڑ کر ایک ہنڈیا میں بند کر دیا۔ اور ہنڈیا زمین میں گڑھا کھود کر گاڑ دی۔ اور خود جا کر لڑکی کے پاس ایک کرسی پر بیٹھ رہا۔ صبح ہوتے ہوتے لڑکی ہوش میں آئی۔ حاتم کو اپنے پاس بیٹھے دیکھ کر بولی۔

"اے نوجوان! تو کون ہے اور میرے محل میں کیسے آیا؟"

حاتم نے اپنے محل میں آنے۔ اس کے پاگل ہو کر اس سے سوال کرنے پھر بے ہوش ہونے سانپ کے نکلنے اور مارے جانے کی ساری داستان سنائی۔ لڑکی نے فوراً اپنی دائی کو آواز دی۔ وہ آئی اور بلائیں لے کر کہنے لگی کہ کیا حکم ہے! لڑکی نے حاتم کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ان سے پوچھو۔ حاتم نے ساری کہانی سانپ مارے جانے کا قصہ سنایا۔ تھوڑی دیر کو بادشاہ بھی آ گیا اور حاتم کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اور حاتم سے رات کی ساری بات سن کر حیرت کرنے لگا۔ حاتم نے کہا۔

"اے بادشاہ! حیرت کرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ سانپ جسے میں نے مارا۔ اصل میں ایک جن تھا۔ جو شہزادی کے سر پر سوار تھا۔ وہی ہر رات مسافر کو مار ڈالتا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ تمہاری بیٹی کو اس سے نجات ملی۔ اب اس پر دیوانگی کا دورہ نہیں پڑے گا۔"

بادشاہ نے حاتم سے کہا۔

"اے عزیز! میں ساری عمر تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔ اب میری خوشی اس میں ہے کہ تو میری لڑکی سے شادی کر لے۔ حاتم راضی ہو گیا۔ بڑی دھوم دھام سے حاتم کی شادی عدل آباد کے بادشاہ کی بیٹی سے ہو گئی۔ حاتم چند دن وہاں رہ کر پھر یوسف سوداگر کے کام کیلئے ملک چین کی طرف چلا چند دن میں وہاں پہنچ گیا۔ شہر میں پہنچ کر یوسف سوداگر کی حویلی پوچھی۔ تو لوگ حیرت سے اس کا منہ تکنے لگے۔ ایک نے کہا

"اے شخص! شاید تو دیوانہ ہے۔ کہ یوسف سوداگر کو تلاش کرتا ہے۔ اسے مرے تو اب سو برس ہونے کو آئے۔"

حاتم نے کہا۔

"مجھے یہ بات معلوم ہے۔ پھر بھی میں اس کی حویلی تک پہنچنا چاہتا ہوں۔ تم مجھے براہ مہربانی یوسف سوداگر کی حویلی تک پہنچا دو۔ میں تمہارا شکر گزار ہوں گا۔"

پس اس شخص نے کہا کہ یوسف سوداگر کی حویلی سوداگروں کے محلے میں ہے حاتم پوچھتا پوچھتا وہاں پہنچ گیا۔ ذرا سی دیر میں یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی کہ کوئی دیوانہ یوسف سوداگر کو پوچھتا ہوا آیا ہے اس خبر کو سن کر یوسف کے خاندان کے لوگ بھی وہاں پہنچ گئے۔ حاتم کو پتا چلا کہ یہ لوگ اس کے رشتہ دار ہیں ان میں سے ایک کو الگ لے جا کر حاتم نے کہا۔

"اے عزیزو! ایک جگہ میری ملاقات یوسف سوداگر سے ہوئی تھی۔ اس کا ایک ضروری پیغام تمہارے لئے لایا ہوں۔"

لوگوں نے یہ بات سنی تو پھر ہنسنے لگے۔ ایک نے کہا۔ اسے بادشاہ کے پاس لے چلو۔ غرض لوگ اسے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ حاتم نے بادشاہ کو وہ ساری باتیں سنا دیں جو اس نے قبرستان میں دیکھی تھیں۔ اس کے بعد یوسف سوداگر کی خواہش کا ذکر بھی کیا۔ بادشاہ بھی حاتم کو دیوانہ سمجھ کر ہنسنے لگا حاتم نے کہا۔

"اے بادشاہ! تو مجھ پر ہنستا ہے۔ اور مجھے تیری نادانی پر ہنسی آتی ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ میں دیوانہ ہوتا تو مجھے کیسے پتا چلتا کہ یوسف سوداگر کی حویلی میں فلاں جگہ خزانہ گڑا ہے۔ ضرور ہے کہ یہ بات اس نے مجھے کہی ہے۔ بادشاہ یہ سن کے چپ ہو رہا۔ اور اسے لیکر یوسف کی حویلی میں پہنچا۔ جو نشان یوسف نے بتایا تھا وہ جگہ کھودی گئی۔ تو بے شمار دولت وہاں سے نکلی۔ حاتم نے یوسف کی خواہش کے مطابق ایک چوتھائی اس کے عزیزوں اور رشتے داروں کو دے دی۔ باقی تین چوتھائی غریبوں کو خیرات کر دی۔ اس کام سے فارغ ہو کر عدل آباد آیا۔ چند دن وہاں رہ کر یوسف سوداگر کی قبر پر گیا جمعہ میں ابھی دو دن باقی تھے اُس نے وہاں رہ کر انتظار کیا۔ جمعہ کے دن وہی سب کچھ

ہوا۔ جیسے حاتم پہلے دیکھ چکا تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ اس مرتبہ یوسف سوداگر نے بھی سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔ اسے بھی فرش پر بیٹھنے کو جگہ ملی اور اس کے لئے بھی کھانے کو کھیر کا پیالہ آیا۔ یوسف نے حاتم کو دیکھا تو اس کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور کہا۔ اے جوانمرد! تیری بدولت میں اس عذاب سے چھوٹا۔ حاتم کو بھی یوسف کی بدلی ہوئی حالت دیکھ کر بہت خوشی ہوئی اور وہ یوسف سے رخصت ہو کر آگے چلا۔

ابھی تھوڑی دور گیا تھا کہ ایک جگہ ایک بڑھیا بیٹھی نظر آئی۔ حاتم نے غریب جان کر اپنی الماس کی انگوٹھی اتار کر اسے دے دی۔ بڑھیا نے دعائیں دیں اور حاتم آگے بڑھ گیا۔ حاتم تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ بڑھیا نے چلا کر کہا۔

”اکے دُکے پردیسی مسافر کا راہ میں خدا حافظ“۔

اس آواز کے سنتے ہی سات مسلح نوجوان جنگل میں سے نکلے اور حاتم کے ساتھ ہو لئے۔ بات دراصل یہ تھی کہ یہ ساتوں مشٹنڈے اس مکار بڑھیا کے بیٹے تھے اور جنگل میں اکیلے دُکیلے مسافر کو لوٹنا ان کا پیشہ تھا بڑھیا اسی لئے وہاں بیٹھی تھی کہ آواز دے کر بیٹوں کو بتادے کہ ایک سونے کی چڑیا آ رہی ہے۔ تھوڑی دور چل کر ساتوں نے حاتم پر حملہ کر دیا۔ اُس کے سارے قیمتی جواہر چھین لئے اور زخمی کر کے ایک اندھے کنوئیں میں ڈال دیا۔ حاتم تین دن وہاں پڑا تڑپتا رہا۔ آخر مہرہ گھس کر زخموں پر لگایا تو آرام ملا۔ اور آنکھ جھپک گئی۔ خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ کہہ رہے ہیں۔

”اے حاتم! اس جگہ قسمت تجھے لائی ہے۔ یہاں ایک بہت بڑا خزانہ دفن ہے کل صبح دو آدمی یہاں آئیں گے اور تجھے یہاں سے نکالیں گے“۔

حاتم یہ بات سُن کر بہت خوش ہوا اور صبح کا انتظار کرنے لگا۔ صبح ہوئی تو دو آدمی کنوئیں پر آئے۔ انھوں نے حاتم کو آواز دی۔ اور ایک رسّی کے ذریعے اسے کنوئیں سے باہر نکالا۔ حاتم نے کنوئیں سے نکل کر خدا کا شکریہ ادا کیا اور اپنے دل میں سوچا۔ اگر اس وقت وہ سات چور میرے پاس ہوتے تو انہیں یہ مال و دولت دے کر کہتا کہ چوری سے توبہ کر لیں۔ یہ سوچ کر اُن کی تلاش میں نکلا۔ اتفاق سے تھوڑی ہی دُور چل کر وہ بڑھیا مل گئی اور اس کی آواز لگانے پر وہ ساتوں چور جوان باہر نکل کر آگئے۔ حاتم نے اُن سے کہا۔

”اے عزیزو! اگر ایک بات مری مانو تو کہوں۔ تم جو یوں مسافروں کو لوٹ کر یہ عذاب مول لیتے ہو۔ اس سے توبہ کر لو۔ میں بہت بڑا خزانہ دوں گا“۔

وہ بولے۔ ہم تو پیٹ کی خاطر یہ بُرا کام کرتے ہیں اگر تم اتنی دولت دے دو تو ہم ضرور توبہ کر لیں۔ لیکن پہلے ہمیں وہ دولت دکھلا دو۔ حاتم انہیں اندھے کنوئیں کے پاس لے گیا۔ اندر خزانہ دکھایا اور اُن سے عہد کیا کہ اب کبھی کسی مسافر کو نہ لوٹیں گے۔ حاتم چوروں سے یہ قسم لے کر آگے بڑھا۔ ابھی تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ ایک خوبصورت سا کتا ہانپتا ہوا۔ اس کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ پیاس کے مارے اس کی زبان باہر نکلی ہوئی تھی۔ حاتم کو اس پر بڑا ترس آیا۔ اسے گود میں لے لیا۔ پاس ہی ایک گاؤں تھا۔ وہاں لے جا کر اسے خوب جی بھر کے پانی پلایا اور پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرنے لگا۔ دیکھا تو اس کے سر میں ایک کیل ٹھکی ہوئی تھی حاتم نے وہ کیل اس کے سر سے نکال لی کیل نکالتے ہی وہ کتا ایک خوبصورت نوجوان بن گیا حاتم نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

”اے نوجوان! اپنا حال بتاؤ۔ تجھے یہ کس نے کتا بنا دیا تھا؟“

اس نے کہا۔

”اے عزیز! میرا مختصر حال یہ ہے کہ میں شہر سورت کا رہنے والا ہوں۔ تجارت کرتا ہوں میری بیوی جادوگرنی ہے۔ اس نے میرے سر میں یہ کیل ٹھونک کر مجھے کتا بنا دیا تھا۔ تین دن سے میں اسی حال میں بھوکا پیاسا پھر رہا ہوں۔ کہ اللہ نے تجھے مجھ پہ مہربان کیا اور تو نے وہ کیل میرے سر سے نکال کر مجھ پہ یہ احسان کیا۔ اب میری خوشی یہ ہے کہ چند دن میرے ساتھ رہ کر مجھے خدمت کا موقع دیں“۔

حاتم نے خوشی سے اس کی دعوت قبول کی۔ تین دن اس کا مہمان رہا۔ پھر اس سے رخصت ہو کر حارث سوداگر کی بیٹی کے پاس آیا۔ اور اس سے اپنے سفر کا سارا حال سنا دیا۔ سوداگر کی بیٹی نے کہا۔

”تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہم نے بھی بہت دن سے وہ آواز نہیں سُنی۔ جو جنگل کی طرف سے آتی تھی۔ اب میرا ایک سوال اور رہ گیا ہے اگر وہ بھی پورا ہو گیا تو میں تیری کنیز ہوں“۔

سوداگر کی بیٹی سے رخصت ہو کر حاتم سرائے میں آیا۔ وہاں سوداگر بچہ بے چینی سے اس کی راہ دیکھ رہا تھا۔ اُسے دیکھتے ہی گلے سے لگا لیا۔ حاتم نے سفر کا سارا حال سنایا اور کہا۔

”اے نوجوان تو اطمینان رکھ۔ اللہ نے چاہا تو جلد ہی تیسرا سوال بھی پورا کر کے۔ تیری شادی سوداگر کی بیٹی سے کروا دوں گا“۔

سوداگر بچہ آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور حاتم کا شکریہ ادا کیا۔ اگلے دن حاتم پری شاہ کے مہرہ کی تلاش میں چلا اور اپنے دل میں یہ سوچ کر کہ اس کا پتا دیوؤں کے بادشاہ سے چلے گا۔ اُسی غار کے پاس پہنچا جس کے راستے سے دیوؤں کے مُلک میں داخل ہوا تھا۔ غار میں اُتر کر دیوؤں کے بادشاہ کے پاس پہنچا۔ اس نے پہچان کر بڑی عزت سے بٹھایا اور آنے کا سبب پوچھا۔ حاتم نے کہا۔

”میں شاہ پری کے مہرے کی تلاش میں نکلا ہوں۔ آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ مجھے کسی طرح سے شاہ پری کے ملک تک پہنچا دیجئے“۔

دیوؤں کے بادشاہ نے کہا۔

”اے حاتم! کسی دیو یا انسان کی مجال نہیں کہ شاہ پری کی مملکت میں جا سکے اس خیال سے باز آ۔ ورنہ مفت میں جان کھوئے گا“۔

حاتم نے کہا۔

”میرا نام حاتم ہے۔ میں اللہ کا نام لیکر ایک کام سے گھر سے نکلا ہوں تو ڈر کر واپس جانے کو جوانمردی کے خلاف جانتا ہوں“۔

دیوؤں کے بادشاہ نے دیکھا کہ حاتم کسی طرح اپنے ارادے سے باز نہیں آئے گا تو اس نے تھوڑے سے دیوؤں کو اس کے ساتھ کر دیا۔ کہ اسے شاہ پری کی سرحد تک پہنچا دے اور جب تک وہ واپس نہ آئے وہیں اس کا انتظار کرے دیو حاتم کو لیکر چلے اور چند دنوں میں شاہ پری کی سرحد تک پہنچا دیا۔ حاتم دیوؤں سے رخصت ہو کر سرحد میں داخل ہوا داخل ہوتے ہی سینکڑوں پری زادوں نے اُسے گھیر لیا اور فوراً زنجیریں ڈال کر قید کر لیا پھر پوچھا کہ تم کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو؟۔ حاتم گونگا بن گیا۔ اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ آخر ان لوگوں نے آپس میں مشورہ کر کے ہزاروں من لکڑیاں جمع کر کے آگ جلائی جب وہ خوب اچھی طرح بھڑک گئی تو حاتم کو اس میں جھونک دیا۔ حاتم تین دن اس آگ میں پڑا رہا۔ لیکن مہرے کے اثر سے اس کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ جب آگ ٹھنڈی پڑ گئی تو حاتم اُس میں سے نکل کر آگے چلا۔ تھوڑی ہی دور گیا تھا۔ کہ وہ پری زاد پھر مل گئے اس مرتبہ انہوں نے حاتم کو اتنے زور سے پھینکا کہ وہ اٹھارہ کوس دور دریائے شور میں جا گرا۔ ایک گھڑیال نے اسے نگل لیا لیکن جب حاتم تین دن تک اس کے پیٹ میں دوڑتا پھرا تو اس نے تنگ آکر اسے اُگل دیا۔ اور حاتم اپنے کپڑے سکھا کر آگے بڑھا۔ تھوڑی ہی دُور جا کر پری زادوں کا ایک اور غول ملا۔ وہ بھی چاہتے تھے۔ کہ حاتم کو مار ڈالیں۔ لیکن حاتم نے اُن کی بہت خوشامد کی اور وہ کہنے لگے

"ہم تجھے یوں نہیں چھوڑ سکتے۔ اپنے بادشاہ کو لکھ کر بھیجتے ہیں پھر جو اس کا حکم ہوا وہی کریں گے۔"

حاتم نے کہا۔

"پری زاد! میری تو خواہش ہی یہ ہے کہ شاہ پری کی خدمت میں حاضری دوں۔ تم ضرور اسے میرے آنے کی اطلاع دو۔"

غرض پری زادوں نے ایک خط لکھ کر بادشاہ کے پاس بھیجا کہ ایک آدم زاد کہیں سے آیا ہے حضور سے ملنے کی تمنا دل میں رکھتا ہے۔ بادشاہ کے پاس خط پہنچا تو اس نے حکم دیا کہ آدم زاد کو ہماری خدمت میں حاضر کرو۔ جواب آتے ہی پری زادوں کا ایک لشکر حاتم کو لیکر بادشاہ پری کے محل کی طرف لے چلا۔ یہ بات آگ کی طرح ہر طرف پھیل گئی۔ کہ ایک آدم زاد کو پکڑ کر شاہ پری کی خدمت میں لئے جا رہے ہیں۔ یہ خبر اڑتے اڑتے مینا پری کی بیٹی حسنہ پری نے بھی سنی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی سنا کہ یہ آدم زاد حسن اور بہادری میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ اس کے دل میں حاتم کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ جس راستے سے پری زادوں کا ایک لشکر گذرنے والا تھا۔ وہاں سے تھوڑی دور پر حسنہ پری کا ایک باغ تھا۔ اس نے سوچا کہ اس باغ میں جا کر کسی نہ کسی تدبیر سے حاتم کو وہاں پکڑوا کر بلائے۔ یہ سوچ کر اپنی ماں کے پاس گئی۔ باغ میں جانے کی اجازت مانگی اور اپنی بہت سی ہم جولیوں کو لیکر باغ میں جا پہنچی۔ وہاں سے اس نے اپنی خاص خاص ہم جولیوں کو بھیجا کہ جا کر حاتم کا پتا چلائیں۔

پریاں اڑتی ہوئی گئیں اور واپس آ کر اطلاع دی کہ دریائے قلزم کے چوکیدار اسے بادشاہ کے پاس لئے جاتے ہیں۔ اور وہ آدم زاد سچ مچ اتنا حسین ہے کہ چاند سورج کو ماند کرتا ہے حسنہ پری نے اپنی کنیزوں سے کہا جس طرح بھی ہو، حاتم کو یہاں اٹھا لاؤ۔ کنیزیں گئیں اور تاک میں رہیں۔ جب آدھی رات ہوئی اور چوکیدار نیند سے غافل ہو گئے تو پریاں حاتم کو بیہوش کر کے حسنہ پری کے باغ میں لے آئیں حسنہ پری نے حاتم دیکھا تو جیسا سنا تھا۔ اس سے زیادہ پایا۔ دل میں سوچا اس نوجوان کو یہاں سے ہرگز نہ جانے دوں گی اتنی دیر میں حاتم ہوش میں آ گیا۔ آنکھ کھولی تو دیکھا کہ سامنے ایک پری بیٹھی ہے سمجھ میں نہ آیا۔ کہ ماجرا کیا ہے۔ پوچھا کہ تم کون ہو اور مجھے یہاں کون لایا ہے۔ پری نے کہا۔

"اے آدم زاد! یہ باغ مینا پری زاد کا ہے اور میں اس کی بیٹی حسنہ پری ہوں۔ تیری تعریف سن کر تجھے یہاں اٹھا لائی ہوں۔"

حاتم یہ سن کر مسکرایا اور کہنے لگا۔ اے پری تو نے میرا راستہ کھوٹا کیا۔ میں تو جلدی سے جلدی شاہ پری کے دربار میں پہنچنا چاہتا ہوں۔ پری نے پوچھا۔ وہاں تیرا کیا کام تھا بھلا؟ حاتم نے کہا مجھے شاہ پری کا مہرہ چاہیے۔ پری بولی۔

"اے آدم زاد! وہاں تو فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں بھلا تیری کیا مجال ہے کہ وہاں پہنچے۔ لیکن خیر میں تیری مدد کروں گی۔ شاید وہ مہرہ ہاتھ آ جائے۔"

اس کے بعد پری نے حاتم کی بڑی خاطر داری کی اور اسے بہت دن تک اپنا مہمان رکھا اب ادھر کی سنو۔ جب لشکر کے چوکیدار جاگے اور حاتم کو وہاں سے غائب پایا۔ تو بہت گھبرائے۔ حاتم کو ادھر ادھر تلاش کیا۔ کہیں نہ پایا۔ ادھر شاہ پری حاتم کی منتظر تھی۔ وہ بہت دن تک نہ پہنچا تو پتا چلانے کو کچھ پری زاد بھیجے۔ پری زاد آئے اور جا کر بادشاہ کو اطلاع دی کہ حاتم کو کوئی اڑا کر لے گیا ہے۔ اور وہ کہیں نہیں ملتا۔ بادشاہ کو یہ سن کر بہت غصہ آیا اس نے چاروں طرف پیادے دوڑائے کہ جہاں سے بھی ہو سکے، حاتم کا کھوج لگائیں۔ پیادے اسی وقت چاروں طرف دوڑ گئے۔ اور ایک نے تھوڑے ہی دن بعد آ کر خبر دی کہ حاتم کو حسنہ پری نے اپنے باغ میں اپنا مہمان بنا رکھا ہے۔ بادشاہ یہ سن کر آگ بگولہ ہو گیا۔ حکم دیا کہ فوراً مینا پری، حسنہ پری اور حاتم کو پکڑ کر یہاں لے آؤ۔ جب شاہی سپاہی مینا پری کے پاس پہنچے تو وہ بہت گھبرائی اور فوراً شاہی دربار میں انکے ساتھ چلنے کو تیار ہو گئی۔ اس کے بعد سپاہی باغ میں آئے اور وہاں سے حسنہ پری اور حاتم کو ساتھ لیکر چند ہی دن میں شاہ پری کے دربار میں پہنچ گئے۔ بادشاہ پہلے تو حسنہ پری پر بہت بگڑا۔ پھر حاتم سے۔ کہنے لگا۔

"اے آدم زاد! تو ہمارے ملک میں کیسے آیا؟"

حاتم نے کہا۔ اے بادشاہ! میں نے تیری اتنی تعریف سنی کہ دل میں دیدار کا اشتیاق بہت زیادہ ہو گیا۔ یہی اشتیاق مجھے یہاں کھینچ لایا۔ بادشاہ حاتم کی یہ بات سن کر بہت خوش ہوا۔ اور کہنے لگا۔ اے آدم زاد! اگر تو ہمارا ایک کام کرے تو منہ مانگی مراد حاصل کرے۔ حاتم نے کہا کہ حکم دیں اللہ کی مدد شامل ہو گی تو ضرور کام پورا ہو جائے گا۔ بادشاہ بولا۔

"میرا اکلوتا بیٹا مدتوں سے آنکھ کی تکلیف میں مبتلا ہے اور دن رات درد سے تڑپتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی بینائی بھی جاتی رہی۔"

حاتم نے کہا اسے یہاں بلائیے میں اس کا علاج کروں گا۔ غرضیکہ لڑکا وہاں لایا گیا۔ بیچارہ آنکھوں کے درد سے تڑپ رہا تھا۔ حاتم نے اپنا مہرہ گھس کر اس کی آنکھوں پر لگایا تو درد فوراً جاتا رہا۔ حاتم نے کہا۔ اے بادشاہ! اگر چاہتا ہے کہ اس کی بینائی بھی واپس آ جائے تو پردہ ظلمات سے نور بیز نامی درخت کے چند قطرے منگوائیں۔ انشاء اللہ ضرور شفا ہو گی۔ بادشاہ نے اپنے درباریوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ تم میں کون یہ کام کرے گا سب سن کر چپ ہو گئے اس پر حسنہ پری بولی۔ کہ اے بادشاہ! اگر مجھے اجازت ملے تو میں اس درخت کا پانی لاؤں۔ بادشاہ نے اجازت دے دی اور حسنہ پری آٹھ دن کے اندر اس درخت کا پانی لے آئی۔ حاتم نے وہ پانی شاہ پری کے لڑکے کی آنکھوں میں لگایا۔ تو آنکھیں تارے کی طرح روشن ہو گئیں بادشاہ خوشی سے اچھل پڑا۔ اور حاتم سے بولا۔

"اے نوجوان مرد! بول کیا انعام مانگتا ہے۔"

حاتم نے کہا۔ اے بادشاہ مجھے تیرا مہرہ چاہیئے۔ بادشاہ نے یہ بات سنی تو دھک سے رہ گیا۔ اور حاتم سے بولا۔ حاتم! میں بات ہار چکا ہوں۔ اس لئے مہرہ دینے سے انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ بتا۔ کہ تو وہ مہرہ لے کر کیا کرے گا۔ حاتم نے اپنا سارا قصہ سنا دیا۔ بادشاہ نے کہا۔ تو خیر تم مہرہ لے جاؤ۔ لیکن میں کسی طرح بھی وہ مہرہ سوداگر کی بیٹی کے پاس نہیں رہنے دوں گا۔ حاتم نے کہا۔ مجھے اس سے کیا مطلب؟ میں تو بس یہ چاہتا ہوں۔ کہ سوداگر کی بیٹی کی شادی میرے دوست سے ہو جائے۔ یہ سن کر بادشاہ نے مہرہ حاتم کو دیدیا۔ حاتم نے اسے حفاظت سے باندھ لیا اور دیووں کی مدد سے تھوڑے دن میں وہ مہرہ سوداگر کی بیٹی کے ہاتھ میں لا رکھا۔ وہ مہرہ دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور کہا۔

"اب میں تیری لونڈی ہوں۔ تو جو حکم دے گا۔ ویسے ہی میں کروں گی۔"

حاتم نے کہا

"میری خوشی یہ ہے کہ تو سوداگر بچے سے شادی کرے۔"

اس نے کہا۔ جو حکم۔ غرض اسی دن سے شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں اور چند دن میں حاتم سوداگر بچے اور حارث کی بیٹی کی شادی کروا کے حسن بانو کے سوال کے جواب کی فکر میں روانہ ہوا۔ اور سخت سختیاں جھیلتا ہوا۔ کئی منزلیں طے کر کے دریا کے کنارے پہنچا۔ وہاں ایک محل بنا ہوا تھا۔ اس کے دروازے پر جلی حروف میں لکھا تھا۔

"نیکی کر اور دریا میں ڈال۔"

حاتم اس عبارت کو پڑھ کر بے حد خوش ہوا۔ اور سجدہ شکر ادا کیا۔ اور محل کے پھاٹک کی

طرف چلا۔ ابھی مشکل سے چند قدم چلا ہوگا کہ محل کا پھاٹک کھلا اور چند خواص حاتم کے پاس آکر اُسے ادب سے اندر لے گئے۔ حاتم اندر پہنچا تو دیکھا کہ ایک بزرگ نورانی صورت تخت پر بیٹھے ہیں۔ حاتم کو دیکھتے ہی تخت سے اٹھے۔ اسے گلے سے لگایا۔ پھر بڑی محبت سے اپنے برابر ہی تخت پر بٹھالیا اور طرح طرح کے کھانے منگوا کر حاتم کو کھلائے۔ کھانے سے فارغ ہو کر حاتم نے بزرگ سے پوچھا کہ آپ نے محل کے دروازے پر جو عبارت لکھی ہے اس کا کیا مطلب ہے۔ بزرگ نے کہا۔

"اے عزیز! میں مدتوں سے ڈاکو تھا۔ اور راہ چلتے مسافروں کو لوٹا کرتا تھا۔ رات کو دو روٹیاں گھی میں چپڑ کر دریا میں ڈال دیتا تھا اور کہتا تھا یہ کام خدا کے واسطے کرتا ہوں۔ ایک مدت یوں گذر گئی۔ آخر کار میں بیمار ہوا۔ اور ایک دن یہ حالت ہوئی کہ ہوش و حواس جاتے رہے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میں مر گیا ہوں۔ اور فرشتے مجھے دوزخ میں جھونکنے جا رہے ہیں۔ اتنے میں دو فرشتے آئے اور کہا کہ اس کی جگہ دوزخ میں ہرگز نہیں اسے جنت میں لے جاؤ۔ یہ سن کر وہ فرشتے مجھے جنت میں لے آئے جب جنت کے دروازے پر پہنچا تو جنت کے داروغہ نے کہا کہ تم کیسے لے آئے ہو؟ اس کی تو ابھی بہت عمر باقی ہے اسی نام کا ایک اور شخص ہے تم اس کے دھوکے میں اس کو لے آئے۔ اس لئے اسے واپس دنیا میں پہنچا دو۔ فرشتے مجھے اس دنیا میں لے آئے اور راستے میں مجھ سے کہا۔ ہم وہ روٹیاں ہیں جو تو اللہ کے نام پر ہر روز دریا میں ڈالتا ہے۔ اتنے میں میری آنکھ کھل گئی۔ اس دن سے میں نے رہزنی سے توبہ کی۔ اور جو کچھ مال اسباب میرے پاس تھا۔ اسے اللہ کے نام پر خیرات کر دیا۔ بس تھوڑا سا اپنی ضرورت کے لئے رکھ لیا۔ ہر روز شام کو دو روٹیاں پانی میں ڈالنا نہ بھولتا تھا۔ اب خدا کے حکم سے جب میں دو روٹیاں دریا میں ڈالتا ہوں تو کوئی شخص ہاتھ بڑھا کر مجھے سو دینار دے جاتا ہے۔ اس میں سے تھوڑے میں اپنے خرچ کے لئے رکھ لیتا ہوں۔ باقی اللہ کے نام خیرات کر دیتا ہوں۔ مجھے اس محل میں رہتے ہوئے سو برس ہو چکے ہیں۔ اللہ کا دیا سب کچھ موجود ہے اور یہ سب کچھ ان دو روٹیوں کی برکت سے ہے جو میں دریا میں ڈالتا تھا۔ اس لئے میں نے محل کے دروازے پر وہ عبارت لگائی ہے جو تم نے پڑھی ہے۔"

حاتم نے بزرگ کی کہانی سن کر اس کا شکریہ ادا کیا اور اجازت لیکر شاہ آباد کی طرف چلا۔ چند دن میں وہاں پہنچ کر پہلے سرائے میں پہنچا۔ پھر حسن بانو کے محل میں گیا اور اسے ساتویں سفر کا سارا حال سنا کر کہا۔ اب بتاؤ تمہارا تیسرا سوال کیا ہے۔ حسن بانو بولی۔ اے حاتم! تیری ہمت کو ہزار آفرین۔ میرا تیسرا سوال یہ ہے کہ ایک شخص جنگل میں کھڑا کہتا ہے کہ کسی سے بدی نہ کر۔ اگر کرے گا وہی پائے گا۔ اس کے کہنے کا کیا مطلب ہے۔ حاتم نے کہا۔ اے ملکہ حسن! میں دو چار دن ٹھہر کر انشاء اللہ اس سوال کے جواب کی کھوج میں روانہ ہوتا ہوں۔ خدا نے چاہا۔ تو تیرے سوال کا جواب لاؤں گا۔

حاتم کا جانا اور تیسرے سوال کا جواب لانا

تین چار دن بعد حاتم منیر شامی کو دلاسا دیکر شاہ آباد سے نکل چلا۔ کوئی مہینہ بھر چل کر ایک ایسے پہاڑ کے پاس پہنچا جو آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔ اور اس پہاڑ پر ایک حسین نوجوان بڑی درد بھری آواز میں چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا: "جلدی آ کہ نہیں تاب اب جدائی کی۔" حاتم نے یہ درد بھری آواز سنی تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ نوجوان کے قریب جا کر پوچھا۔ کہ اے عزیز! تجھے کیا دکھ ہے کہ یوں چیخ چیخ کر جان دے رہا ہے وہ کچھ نہ بولا۔ جب حاتم نے کئی دفعہ پکارا تو چونک کر کہا۔

"اے نوجوان! جا اپنا راستہ لے۔ تجھے اس سے کیا کہ میں کیوں رو رو کر جان دے رہا ہوں۔ تیری طرح نہ جانے کتنے مسافر آئے اور یوں ہی حال پوچھ پوچھ کر چلے گئے۔" حاتم نے کہا۔

"اے عزیز! جس طرح انہوں نے اپنا حال کہا ہے مجھ سے بھی کہہ کر دیکھ لے۔ انشاء اللہ ہو سکتا ہے کہ میں تیرے کچھ کام آسکوں۔"

نوجوان نے کہا۔

"اے مسافر! میرا حال کیا پوچھتا ہے میرا پیشہ سوداگری ہے ایک دن اس راستے سے گذر رہا تھا کہ میری ملاقات الگن پری سے ہوگئی۔ اسے دیکھتے ہی میرے ہوش جاتے رہے وہ گلاب چھڑک کر مجھے ہوش میں لائی۔ اور کہا۔ اے نوجوان! ہم تجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ہمارا جی چاہتا ہے کہ کچھ دن تیرے ساتھ رہ کر اسی پہاڑ کی سیر کریں۔ لیکن ایک شرط ہے میں نے کہا فرماؤ کیا شرط ہے؟ کہنے لگی۔ ہمیں اپنے گھر پر ایک ضروری کام ہے اس کے کرنے میں ہمیں ایک ہفتہ لگے گا۔ اور اگر ایک ہفتہ یہیں رہ کر ہمارا انتظار کرے تو ہم تجھ سے آکر ملیں گے۔ میں نے کہا۔ اے پری تیری جدائی میں مجھے سات دن کاٹنے مشکل ہو جائیں گے۔ لیکن تیرا حکم ہے اس لئے میں جس طرح ہوگا۔ اسے نبھالاؤں گا۔ پری تو اس کے بعد چلی گئی اور میں نے صبح شام کر کے نہ جانے کس طرح سات دن کاٹے۔ لیکن وہ واپس نہ آئی۔ اس بات کو اب پورے سات برس ہو گئے ہیں۔ میں یوں ہی رو رو کر اس پری کا انتظار کر رہا ہوں۔"

یہ کہا اور پھر چیخ کر وہی مصرعہ پڑھا کہ "شتاب آ کہ تاب نہیں اب جدائی کی۔" حاتم کو اس کے حال پر بڑا ترس آیا۔ اور کہنے لگا۔ اے نوجوان! تیری حالت سچ مچ رحم کے قابل ہے اللہ نے مجھے اس لئے پیدا کیا ہے کہ دوسروں کی خدمت کروں۔ اگر مجھ سے تیری بھی خدمت ہو سکے تو خدا کا شکر ادا کروں گا۔ تو یہاں ٹھہر میں جاتا ہوں۔ اللہ نے چاہا تو پری کو تجھ سے لاکر ملاتا ہوں۔ نوجوان نے کہا۔ اے عزیز! تجھ جیسا نیک دنیا میں کون ہوگا۔ جو دوسروں کی خاطر اپنے کو جوکھوں میں ڈالے۔ جا اللہ تیرا بھلا کرے۔ یہ کہہ کر پھر زور کا نعرہ لگایا۔ حاتم اس کو دلاسا دے کر پریوں کے دیس کو چلا۔

کئی دن کے بعد ایک جگہ پہنچا۔ جہاں بہت فرحت بخش باغ دکھائی دیا۔ بے اختیار جی چاہا۔ کہ تھوڑی دیر آرام کرے۔ ایک درخت کے نیچے لیٹ رہا۔ آنکھ لگ گئی آنکھ کھلی۔ تو دیکھا کہ چار پریاں سامنے بیٹھی ہیں۔ وہ حاتم سے پوچھنے لگیں۔ یہاں کون لایا ہے تجھے اور تیرا یہاں کیا کام ہے؟ حاتم بولا میرا خدا مجھے یہاں لایا ہے میں الگن پری سے ملنے جا رہا ہوں۔ پریاں یہ سن کر ہنسنے لگیں اور کہا کہ شاید تو دیوانہ ہے کہ ایسا ارادہ دل میں رکھتا ہے بھلا وہاں پہنچنا کیا ایسا آسان ہے؟ حاتم بولا۔ آسان ہو یا نہ ہو مگر مجھے تو کسی نہ کسی طرح وہاں پہنچنا ہے۔ ایک آدمی اس کی یاد میں اپنی جان دے رہا ہے اور مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ اسے اس حال میں دیکھوں اور خاموش بیٹھا رہوں۔ پریوں نے کہا۔ ایسا ہے تو ضرور جاؤ۔ الگن پری کوہ قاف پر رہتی ہے اور یہاں سے آٹھ دن کی راہ پر اس کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ حاتم وہاں سے چلا آٹھ دن کے بعد اس کی سرحد میں پہنچا۔ یہاں سے سڑک دو طرف کو جاتی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کدھر کو جاؤں؟ ابھی کھڑا ہی سوچ رہا تھا۔ کہ کہیں سے گریہ وزاری کی آواز آئی۔ یہ اسی طرف کو چل پڑا۔ جدھر سے آواز آرہی تھی۔ چونکہ رات کا وقت تھا۔ اس لئے کچھ پتا نہ چلا۔ کہ آواز کس کی ہے لاچار ہو کر صبح کا انتظار کیا۔ صبح ہوئی تو اس آواز کے سہارے ایک طرف کو چلا۔ تھوڑی دور جا کر دیکھا کہ ایک نوجوان ننگے سر ننگے پیر جنگل میں ادھر ادھر دوڑتا پھرتا ہے تھوڑی دور جا کر کہیں ٹھہر جاتا ہے۔ اور اس طرح بلک بلک کر روتا ہے کہ کلیجہ منہ کو آتا ہے حاتم اس کے پاس گیا اور رونے کا سبب پوچھا تو وہ نوجوان رو رو کر کہنے لگا۔

"میں سپاہی ہوں۔ فلاں شہر میرا وطن ہے روزگار کی تلاش میں نکلا تھا کہ اس ملک میں

آ پہنچا۔ یہاں اتفاق سے میری ملاقات ایک ایسی عورت سے ہوئی کہ ایسی حسین میں نے زندگی بھر نہ دیکھی۔ وہ عورت بھی مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی کہ اے نوجوان تو ہمیں بہت پسند آگیا۔ کچھ روز ہمارا مہمان رہ۔ میں نے خوشی سے قبول کیا وہ مجھے اپنے محل میں لے گئی۔ لیکن اے عزیز! وہ لڑکی اس ملک کی مشہور جادوگر مُسحّر کی بیٹی ہے۔ مسحّر جادوگر کو اپنے جادو کے زور سے میرے محل میں آنے کا پتا چل گیا وہ محل میں آیا اور پہلے تو اپنی بیٹی پر بے حد خفا ہوا۔ پھر مجھے لا کر اس جنگل میں ڈال دیا اور کہا کہ اگر تُو میری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے تو میری تین باتیں پوری کر۔ ایک یہ کہ جوڑا پری رو جانور کا لا کر مجھے دے۔ دوسرے سُرخ سانپ کا مہرہ۔ تیسرے اپنے آپ کو کھولتے ہوئے گھی میں ڈال کر سلامت نکال۔ میں یہ سوال سُن کر بہت گھبرایا۔ جانتا ہوں کہ ان کا پورا کرنا میرے بس میں نہیں۔ اس لئے رو رو کر زندگی کے دن کاٹ رہا ہوں۔"

حاتم نے اس کے غم کی کہانی سُن تو بولا کہ اے نوجوان تُو اُداس نہ رہ۔ میں جلد ایسی تدابیر کرتا ہوں کہ جادوگر اپنی بیٹی کا بیاہ تجھ سے کر دے۔ حاتم کو معلوم تھا کہ پری رو جانور کا جوڑا دشت ماثندران میں ملے گا۔ اس لئے پہلے اس طرف کا رُخ کیا۔ ابھی تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ سامنے ایک قلعہ نظر آیا۔ قریب گیا۔ تو لوگ قلعے کی خندق کے قریب آگ لگانے کی فکر کر رہے تھے۔ حاتم نے لوگوں سے ماجرا پوچھا۔ تو کہنے لگے۔ ہر رات کو یہاں ایک بَلا آتی ہے اور تین چار آدمیوں کو کھا جاتی ہے۔ آج ہم نے سوچا ہے کہ جب وہ آئے گی تو آگ روشن کر دیں گے۔ تاکہ وہ آگے نہ بڑھ سکے۔ حاتم نے کہا کہ اچھا آج اُسے آنے دو۔ دیکھا جائے گا۔ یہ کہہ کر رات ہونے سے پہلے خندق کے پاس ایک جگہ چھُپ کر بیٹھ گیا۔ جب آدھی رات ہوئی تو دیکھا کہ ایک جانور چلا آتا ہے کہ جس کے آٹھ پاؤں اور سات سر ہیں ایک سر ہاتھی کا۔ چھ شیر کے ہیں جو سر ہاتھی کا ہے اس میں نو آنکھیں ہیں۔ دیکھتے دیکھتے بَلا بالکل قریب آگئی۔ لوگوں نے فوراً لکڑیوں میں آگ لگا دی۔ وہ بَلا آگ کو دیکھتے ہی گھبرا کر اِدھر اُدھر پھرنے لگی۔ اور اس زور سے چیخ ماری کہ زمین تھرا گئی۔ یکایک وہ بلا حاتم کے سامنے آگئی۔ اس نے تاک کر ایک تیر اس کی آنکھ میں ایسا مارا کہ وہ بلا تڑپ کر زمین پر لوٹنے لگی۔ اور تھوڑی دیر میں لوٹ لوٹ کر مر گئی۔

شہر کے لوگ اس کے مرنے سے اس قدر خوش ہوئے کہ لاکھوں روپے کے زر و جواہر حاتم کے سامنے لا کر رکھ دیئے۔ حاتم نے کہا مجھے تمہارا روپیہ نہیں چاہیئے۔ اسے فقیروں اور محتاجوں میں تقسیم کر دو اور میرے لئے دُعا کرو۔ کہ اللہ مجھے دین و دنیا میں سرخرو کرے۔ یہ کہہ کر وہاں سے رخصت ہوا۔ ابھی تھوڑی دُور گیا تھا کہ کیا دیکھتا ہے کہ ایک سانپ اور نیولے میں لڑائی ہو رہی ہے۔ حاتم نے کہا کہ اے حیوانو! تم دونوں میں ایسی کیا دشمنی ہے کہ یوں ایک دوسرے سے لڑ رہے ہو؟ سانپ نے کہا۔ اس نے میرے باپ کو مارا ہے میں اسے مار دوں گا۔ نیولا بولا، یہ میری خوراک ہے، میں اسے کھاؤں گا۔ حاتم نے نیولے سے کہا۔ اگر تجھے گوشت چاہیئے تو میرا گوشت کھا لے۔ پھر سانپ سے بولا۔ تُو چاہے تو اپنے باپ کا بدلہ مجھ سے لے لے حاتم نے یہ کہا۔ تو دونوں نے لڑنا بند کر دیا۔ اور نیولا بولا۔ اچھا تو مجھے اپنے گال کا گوشت کھانے کو دے۔ حاتم نے خنجر میان سے نکالا، چاہتا تھا کہ اپنے رُخسار کا گوشت کاٹے کہ نیولا چلایا ٹھہر ٹھہر کیا کرتا ہے، میں نے تو یہ بات تیرے آزمانے کو کہی تھی۔ تجھ کو آفرین اور تیرے ماں باپ کو آفرین کہ تجھ جیسا بیٹا پیدا کیا۔ یہ کہہ کر وہ اور سانپ دونوں لوٹ لوٹ کر آدمی کی شکل کے ہو گئے۔ حاتم نے پوچھا۔ یہ کیا ماجرا ہے؟ وہ بولے، کہ ہم اصل میں جن ہیں سانپ کہنے لگا، میں نے اس کے باپ کو اس لئے مارا۔ کہ وہ اپنی بیٹی سے میری شادی نہیں کرتا تھا۔ یہ نیولا اُس لڑکی کا بھائی ہے، یہ بھی اپنے باپ کی سی باتیں کرتا ہے۔ اب میں اسے مار ڈالوں گا۔ دوسرا کہنے لگا۔ یہ اپنی بہن کی شادی مجھ سے کر دے تو میں بھی اپنی بہن اس کے ساتھ بیاہ دوں گا۔ اس پر پہلے نے کہا میں کیا کروں۔ میرا باپ شادی پر راضی نہیں ہوتا حاتم نے کہا۔ چلو میں اسے سمجھاؤں گا۔ حاتم ان دونوں کے ساتھ گیا۔ اور نیولے کے باپ کو راضی کر لیا۔ اور ایک ہی دن کے اندر دونوں کی شادی کروا دی۔ یہ دونوں جن حاتم سے اتنے خوش ہوئے کہ اسے دو تحفے دیئے ایک عصا دیا جس میں کئی تھیں۔ سانپ بچھو کاٹے تو اثر نہ کرے۔ اگر اس کے سائے میں لیٹ گیا تو آگ سے نہ جلے۔ کوئی جادو کرے تو اثر نہ ہو۔ راستے میں کوئی دریا آ جائے تو عصا ڈالنے سے کشتی بن جائے۔ دوسرے نے ایک مہرہ دیا اور کہا۔ سرخ سپید یا سیاہ سانپ ملے اور یہ مہرہ منہ میں ڈال لے تو زہر کا اثر بالکل نہ ہو حاتم نے دونوں چیزیں لیں اور رخصت ہوا۔ تھوڑی دُور چل کر ایک دریا ملا۔ حاتم نے وہ عصا اس میں ڈالا تو کشتی بن گئی۔ حاتم نے اسی کشتی میں بیٹھ کر دریا پار کیا اور دشتِ ماثندران کی طرف چلا۔ دو دن چل کر ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ کر سوچنے لگا کہ میں دشتِ ماثندران میں تو آ گیا اب جانور کا جوڑا کہاں سے تلاش کروں۔ تھوڑی دیر بعد رات ہو گئی اور مہ رو جانور کا ایک جوڑا اسی درخت پر آ بیٹھا۔ اور آپس میں باتیں کرنے لگا۔ حاتم نے ان کی باتیں سُنیں۔ نر مادہ سے کہہ رہا تھا۔ آج رات اس درخت کے نیچے حاتم طائی ہمارا مہمان ہے۔ اس نے اپنی ساری عمر دوسروں کی خدمت میں گزار دی اور ان کے لئے ہر طرح کی تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ اب وہ ہمارا ایک جوڑا لینے یہاں آیا ہے۔ صبح ہوئی تو سارے جانوروں نے اُسے آ کر گھیر لیا۔ اور ان میں سے ہر ایک کہنے لگا۔ اے حاتم! ہماری خوش قسمتی کہ تجھ جیسا مرد نوجوان ہمارا مہمان ہو۔ ہمیں معلوم ہے کہ تو یہاں کیوں آیا ہے۔ ہم اپنے بچوں کا ایک جوڑا تیری نذر کرتے ہیں۔ حاتم نے کہا۔ تم بڑے مہمان نواز ہو۔ تم مجھے اپنا ایک جوڑا دے دو۔ تو مجھ پر بڑا احسان ہو گا۔ اور ایک نامراد اپنی مراد کو پہنچے گا۔ غرض ہاتھوں میں اس جانور کا ایک جوڑا لیکر وہاں سے چلا کہ اس کا اوپر کا دھڑ آدمی کا تھا اور نیچے کا مور جیسا۔ اور ایک مدت کے بعد دُکھ سہتا منزلیں طے کرتا۔ مُسحّر جادوگر کے شہر میں جا پہنچا۔

وہ جوڑا سپاہی زادے کو دیا۔ سپاہی زادے نے وہ لے جا کر جادوگر کو دے دیا۔ جادوگر جوڑے کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور بولا۔ اللہ تیرا بھلا کرے۔ اب سُرخ سانپ کا مہرہ مجھے لا کر دے۔ حاتم نے کہا تم مطمئن رہو۔ میں ابھی اس کی کھوج میں گھر سے نکلتا ہوں۔ کوہ قاف جا کر دشتِ سُرخ سے گوہر مقصد لاتا ہوں۔ کئی منزلیں طے کر کے ایک جنگل میں پہنچا۔ وہاں دیکھا کہ ایک بچھو ہے جس کا قد مرغ کے برابر ہے۔ اور اس کا جسم سات رنگ کا ہے۔ حاتم اسے دیکھ کر بہت ڈرا۔ اتنے میں رات ہو گئی۔ حاتم ایک درخت کے نیچے لیٹا رہا۔ پاس ہی بہت سے گھوڑے اور گائیں چر رہی تھیں۔ رات ہوئی، وہ بچھو باہر نکلا۔ اور ایک ایک کر کے ساری گائیوں اور گھوڑوں کو ڈنگ مار کر ہلاک کر دیا۔ اور ایک پتھر کے نیچے جا کر چھپ رہا۔ صبح کے وقت گاؤں کے لوگ وہاں آ کر جمع ہو گئے۔ بچھو نے ان میں سے ایک کے سر پر ڈنگ مارا۔ وہ تو گر کر تڑپنے لگا اور بچھو نے جنگل کی راہ لی۔ لوگ تو رونے پیٹنے میں لگے ہوئے تھے۔ حاتم اس بچھو کے پیچھے ہو لیا۔ تھوڑی دُور چل کر بچھو لوٹ پوٹ کر سانپ بن گیا اور ایک بل میں جا کر چھپ گیا۔ رات ہوئی شہر کی طرف چلا۔ حاتم بھی اس کے پیچھے ہو لیا۔ دیکھا کہ سانپ موری کے راستے بادشاہ کے محل میں گھس گیا۔ اور اسے ڈس لیا۔ وہاں سے وزیر کی حویلی میں پہنچا۔ اور وزیر کی بیٹی کو کاٹا اور دونوں ختم ہو گئے۔ حاتم اب بھی سانپ کے پیچھے رہا۔ دل میں سوچ رہا تھا کہ دیکھیں اب کیا رنگ لاتا ہے؟ صبح ہوئی تو جنگل پہنچ کر شیر بن گیا۔

دس بارہ آدمی دریا پر پانی پینے آئے۔ ان میں سے ایک پر جھپٹا اور مار ڈالا۔ تھوڑی دور جا کر ایک عورت کی صورت اختیار کی اور سڑک کے کنارے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں دو نوجوان ادھر سے گزرے۔ یہ دونوں آپس میں بھائی تھے۔ اور نوکری کی تلاش میں گھر سے

نکلے تھے۔ اس عورت نے ان دونوں سے ایسی لگاوٹ کی باتیں کیں کہ دونوں ایک دوسرے سے لڑنے لگے۔ اور ایک دوسرے سے لڑتے ہوئے مارے گئے وہ دونوں تو وہیں پڑے تڑپتے رہے اور وہ عورت بھیس بدل کر بھینسا بن گیا۔ حاتم بھی اس کے پیچھے پیچھے چلا۔ بھینسا ایک گاؤں میں پہنچا۔ گاؤں والوں نے جو اس خوبصورت بھینسے کو دیکھا۔ تو لالچ میں آکر اسے پکڑنے دوڑے۔ بھینسے نے کئی ایک کو اپنی لاتوں اور سینگوں سے زخمی کر کے مار ڈالا۔ پھر جنگل میں جا کر بوڑھا آدمی بن گیا۔ اب تو حاتم سے نہ رہا گیا۔ اس نے سوچا کہ اس بوڑھے آدمی سے سارا ماجرا پوچھنا چاہیئے۔ یہ سوچ کر آگے بڑھا بوڑھے کو جھک کر سلام کیا پیر مرد نے سلام کا جواب دیا۔ اور پوچھا کہ اے حاتم تو اچھا تو ہے؟ حاتم نے کہا آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہوا؟ پیر مرد نے کہا تیرے نام پہ کیا موقوف ہے میں تو تیرے باپ کا نام بھی جانتا ہوں شاید تجھے معلوم نہیں کہ میں ملک الموت اور جس شکل میں جس کی روح قبض کرنے کا حکم ہوتا ہے وہی شکل اختیار کر لیتا ہوں۔ حاتم نے کہا کہ اچھا۔ یہ بتاؤ کہ میری موت کب آئے گی؟ ملک الموت نے کہا کہ ابھی تیری عمر بہت باقی ہے۔ تیرے ہاتھ سے ہزاروں آدمیوں کے کام بنیں گے تو اسی طرح خدمت خلق میں مصروف رہ۔ اللہ دونوں جہانوں میں تجھے سرخ رو کرے گا۔ حاتم نے وہیں بیٹھ کر سجدہ شکر ادا کیا۔ سجدہ سے سر اٹھایا تو دیکھا کہ پیر مرد وہاں نہیں ہے۔ حاتم نے پھر دشت سرخ کا راستہ لیا۔

حاتم ایک مدت کے بعد ایسی جگہ پہنچا جہاں کی زمین بالکل سیاہ تھی وہ سانپوں کی سرزمین تھی۔ سانپ آدمی کی بُو پا کر حاتم کیطرف دوڑے اور اُسے گھیر لیا۔ حاتم عصا گاڑ کر ایک جگہ بیٹھ گیا۔ اس لئے کوئی اس کی طرف نہ بڑھا۔ رات بھر یہی صورت رہی۔ صبح ہوتے ہی سانپ اپنے اپنے بلوں میں گھس گئے۔ حاتم نے آگے کی راہ لی۔ کچھ دن بعد دشتِ سفید میں پہنچا۔ وہاں سفید سانپوں کے ساتھ وہی پیش آیا۔ جو دشت سیاہ میں ہوا تھا۔ حاتم یہاں سے چل کر جلد ہی دشتِ سرخ میں پہنچ گیا۔ یہاں کی زمین خون کی طرح سرخ تھی۔ یہاں پہنچ کر حاتم کا پیاس کے مارے بُرا حال ہو گیا۔ دو قدم بھی چلنا دوبھر ہو گیا۔ زبان منہ سے باہر نکل آئی حاتم سمجھا کہ موت کا وقت آ پہنچا لیکن جی میں خوش تھا۔ کہ اچھی موت مروں گا۔ دوسرے کی خدمت کرتے ہوئے مرجانے سے اچھی موت بھلا اور کون ہو سکتی ہے لیکن ہمت کر کے اب بھی برابر آگے بڑھتا رہا۔ اسی طرح ہمت کر کے دو تین کوس چلا۔ پیروں میں چھالے پڑ گئے گرمی سے سارا جسم جھلس گیا۔ آخر ایک جگہ بے دم ہو کر گر پڑا۔ ہوش جاتے رہے اتنے میں ایک پیر مرد سامنے آیا۔ اور حاتم سے کہا۔

" اے حاتم! ہمت مت ہار۔ اٹھ۔ خدا کا نام لے اور وہ مہرہ اپنے منہ میں رکھ لے جو پھول کی شہزادی نے تجھے دیا تھا!"

حاتم نے ایسا ہی کیا۔ اس کے منہ میں رکھتے ہی پیاس کی شدت کم ہو گئی۔ حاتم نے پیر مرد سے پوچھا۔ اے بزرگ! یہ گرمی کس چیز کی ہے؟ بزرگ نے کہا حاتم یہ گرمی سرخ سانپ کے زہر کی ہے اسی زہر کے اثر سے یہ زمین لال ہو گئی ہے۔ ورنہ پہلے سبز تھی۔ یہ سن کر حاتم پھر آگے بڑھا۔ اس کی بُو پاتے ہی سرخ سانپ نے پھنکارنا شروع کر دیا اس کی پھنکار کے شعلے آسمان تک جانے لگے۔ اور آس پاس کی زمین کوئلے کی طرح چٹخنے لگی اگر حاتم کے منہ میں مہرہ نہ ہوتا تو وہ جل کر راکھ ہو گیا ہوتا۔ حاتم اسی طرح آگے بڑھتا جا رہا تھا کہ سانپ کی نظر اس پر پڑی۔ اور وہ پہلے سے بھی زیادہ زور سے پھنکاریں مارنے لگا۔ لیکن حاتم کے پاس جو عصا تھا اس کی وجہ سے زہر نے اپنا اثر نہ کیا۔ رات اسی طرح گذر گئی۔ صبح ہوتے ہی حاتم نے دیکھا کہ کوئی سفید سفید سی چیز سانپ کے منہ سے باہر نکل پڑی ہے۔ حاتم نے وہیں کھڑے کھڑے اپنا عصا ہلایا۔ تو سانپ اپنا سر زمین پر ٹیکنے لگا۔ آخر تھوڑی دیر میں اس نے مہرہ منہ سے اگل دیا اور بھاگ گیا۔

حاتم نے دوڑ کر وہ مہرہ اٹھا کر اپنی پگڑی میں لپیٹ لیا۔ اپنے چاروں طرف دیکھا تو ساری گرمی جاتی رہی۔ حاتم دو دن کا سفر ایک دن میں طے کر کے جلدی ہی اس نوجوان کے پاس آپہنچا۔ اور اُسے سرخ سانپ کا مہرہ دکھایا۔ جوان حاتم کے پیروں پر گر پڑا۔ حاتم نے اسے گلے سے لگایا اور کہا کہ اب جلدی جاؤ اور یہ مہرہ جادوگر کو دکھاؤ۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ منخر جادوگر نے دیکھا اور اسے اچھی طرح آزمایا۔ پھر نوجوان سے بولا۔ تم نے دونوں شرطیں پوری کر دیں۔ اب ایک رہ گئی ہے اُسے بھی پوری کر دو تو اپنی لڑکی کی شادی تیرے ساتھ کر دوں اس کے بعد جادوگر نے ایک لوہے کا کڑھاؤ گھی سے بھر دیا اسے چولہے پر چڑھا کر سات دن تک اسے آگ پر کھولایا گیا۔ جب گھی اچھی طرح کھول گیا تو جادوگر نے کہا۔ اب تم اس میں کودو۔ نوجوان ڈر سے کانپنے لگا۔ حاتم نے مہرہ اس کے ہاتھ میں دیدیا اور کہا۔ اسے منہ میں رکھو اور اللہ کا نام لیکر کود جاؤ۔ نوجوان نے ایسا ہی کیا۔ اُسے کھولتا ہوا گھی ایسے لگا جیسے نہانے کا پانی۔ کڑھاؤ میں خوب اِدھر اُدھر تیرتا پھرا۔ جادوگر نے کہا۔ اے نوجوان اب باہر نکل آ۔ وہ فوراً نکل آیا۔ یہ واقعہ جس نے بھی دیکھا وہ حیرت میں رہ گیا۔ حاتم نے اسے گلے لگا لیا۔ اور چند دن میں اس کی شادی جادوگر کی بیٹی سے ہو گئی۔ اب حاتم الگن پری سے ملنے کے لئے کوہ القا کی طرف چل پڑا۔ رات دن چلتا رہا۔ پھر کوہ القا کے قریب پہنچا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سامنے ایک پہاڑ اتنا اونچا ہے کہ آسمان سے باتیں کرتا ہے حاتم چلتے چلتے تھک گیا تھا۔ ایک جگہ سستانے کو بیٹھ گیا اتنے میں اسے کئی پری زاد اپنی طرف آتے نظر آئے۔ حاتم کو دیکھ کر وہیں سے پلٹ پڑے۔ حاتم نے سوچا کہ ضرور یہ کسی غار میں جائیں گے جھٹ ان کے پیچھے ہو لیا۔ لیکن وہ نظر سے ایسے اوجھل ہوئے کہ حاتم کو پھر نہ دکھائی دیئے حاتم نے غار میں جانے کا راستہ بہت ڈھونڈا۔ پر نہ ملا۔ بس ایک ڈھلوان چٹان دکھائی دی۔ حاتم اس پر بیٹھ کر نیچے کی طرف پھسلنے لگا۔ صبح سے شام تک پھسلتا رہا۔ تب کہیں جا کر زمین پر پاؤں ٹکے۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک بہت فرحت بخش باغ ہے اور اس میں طرح طرح کے پرندے چہچہا رہے ہیں دیکھ کر خوش ہو گیا ابھی باغ کو دیکھ کر خوش ہو رہا تھا کہ وہی پری زاد سامنے آئے۔ حاتم سے پوچھنے لگے۔

" اے آدم زاد! تو اس باغ میں کیسے آگیا؟ یہ الگن پری کا باغ ہے اگر اس نے تمہیں یہاں دیکھ لیا تو وہ تجھے کبھی جیتا نہ چھوڑے گی اور ہمیں بھی سزا دے گی"۔

حاتم نے کہا۔ اے پری زادو! تم مجھے موت سے کیا ڈراتے ہو۔ میں تو اپنا سر ہتھیلی پر لئے پھرتا ہوں مار ڈالے گی تو مار ڈالے۔ لیکن میں الگن پری سے ملنے آیا ہوں اور اس سے ملے بغیر ہرگز یہاں سے نہ جاؤں گا۔ پری زاد آپس میں کہنے لگے کہ عجیب آدم زاد سے پالا پڑا ہے۔ یہ کسی سے ڈرتا ہی نہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ اے آدم زاد! تجھے الگن پری سے کیا کام ہے۔ جو اپنی جان پر کھیل کر یہاں آیا ہے؟ حاتم نے سارا قصہ پری زادوں کو سنا کر کہا۔ میں الگن پری سے مل کر اسے اس کا وعدہ یاد دلانا چاہتا ہوں کہ اگر واپس نہیں جانا تھا تو کیوں ایک بے گناہ کو عذاب میں مبتلا کیا۔ پری زاد بولے۔ عجیب آدمی ہے۔ کہ دوسروں کی خاطر اپنی جان کو عزیز نہیں رکھتا۔ کہنے لگے۔ اچھا ہم تجھے جس طرح بھی ہو گا الگن پری سے ملائیں گے وہ دو دن بعد باغ کی سیر کو آنے والی ہے تو اس وقت تک یہاں ٹھہر حاتم نے کہا۔ اللہ تمہیں اس نیکی کا بدلہ دے گا میں دو دن اس کا انتظار کروں گا"۔

غرض حاتم نے دو دن شہزادی کا انتظار کیا۔ دو دن بعد شہزادی پریوں کے ایک لشکر کے ساتھ باغ میں آئی۔ اور باغ کے نگہبانوں نے اسے عرض کیا کہ اے شہزادی! نہ جانے کسطرح ایک آدم زاد اس باغ میں چلا آیا ہے وہ کسی طرح یہاں سے جانے پر آمادہ نہیں کہتا ہے کہ شہزادی سے

ملے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ شہزادی نے کہا اچھا اسے ہمارے سامنے لاؤ۔ حکم پاتے ہی باغبان گئے اور حاتم کو شہزادی کے پاس لے آئے۔ شہزادی نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔ اے شخص تو کون ہے۔ اور ہمارے باغ میں کیوں آیا ہے؟ حاتم نے کہا۔ اے شہزادی! مجھے یہاں اس لئے آنا پڑا۔ کہ تو نے ایک شخص سے جھوٹا وعدہ کر کے اس کی جان پر بنا دی ہے۔ شہزادی نے کہا۔ اے شخص! تجھے ہم پر جھوٹا الزام لگاتے شرم نہیں آتی؟ ہم بھلا کیوں کسی سے جھوٹا وعدہ کرتے؟ اور کیوں کسی کی جان پر بناتے؟ حاتم نے کہا۔ شہزادی! خفا ہونے کی بات نہیں۔ میرا نام حاتم ہے جھوٹ بولنا میرا شیوہ نہیں۔ جو کچھ کہہ رہا ہوں ٹھیک ہے جب شہزادی حاتم کی اس بات پر بھی حیرت اور غصے سے اس کا منہ تکتی رہی تو حاتم نے اسے پوری بات شروع سے آخر تک سنا دی۔ حاتم کے کہنے پر شہزادی کو پوری بات تو یاد آ گئی۔ لیکن وہ بگڑ کر کہنے لگی۔

"اے حاتم! دنیا میں تیرا جواب نہیں کہ دوسرے کی خاطر سو طرح کے خطرے مول لیکر یہاں پہنچا ہے لیکن جس کے لئے تو نے یہ سب کچھ کیا ہے ہمیں اس سے ذرا بھی محبت نہیں اس لئے کہ اگر اسے ہم سے محبت ہوتی تو یوں بزدلوں کی طرح ایک جگہ پڑا نہ رہتا۔"

حاتم بولا۔

"شہزادی! یہ تو اس غریب کی محبت پر بہت بڑا الزام ہے۔ تو نے اس سے سات دن بعد لوٹ آنے کا وعدہ کیا۔ اور وہ سات برس سے تیرا انتظار کر رہا ہے۔ اور اس جگہ سے اس لئے نہیں ہٹا کہ تو وہاں پہنچے اور اسے نہ پاکر مایوس نہ ہو۔ اور تو کہتی ہے کہ اسے سچی محبت نہیں۔ ایسی ناانصافی تو میں نے دنیا میں کہیں دیکھی نہ سنی۔"

غرض حاتم نے الگن پری کو کچھ اس طرح قائل کیا کہ وہ نوجوان سپاہی زادے کو اپنے پاس بلانے پر راضی ہو گئی۔ اسی وقت کچھ پری زادوں کو بھیج کر اسے بلوا لیا اور حاتم نے پری کے ماں باپ سے سفارش کر کے اس کی شادی الگن پری سے کرا دی۔ بڑی دھوم دھام سے شادی ہوئی۔ اور دونوں ہنسی خوشی رہنے لگے۔ تو حاتم کوہ احمر کی طرف روانہ ہوا۔ پری زادوں کی مدد سے جلد ہی وہاں پہنچ گیا۔ دور سے اسے وہی آواز سنائی دی جس کی تلاش میں یہاں تک آیا تھا۔ کوئی چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

"کسی سے بدی نہ کر۔ اگر کرے گا تو وہی پائے گا۔"

حاتم آواز کی طرف چلا۔ اور تھوڑی ہی دیر میں اس درخت کے پاس پہنچ گیا۔ جہاں سے وہ آواز آ رہی تھی دیکھا تو درخت میں ایک پنجرہ لوہے کا لٹکا ہوا ہے اور ایک پیر مرد اس میں بند ہے حاتم کچھ دیر وہاں کھڑا رہا۔ پھر اس پیر مرد سے پوچھا۔ اے بزرگ۔ تو کون ہے اور ہر گھڑی یہ آواز تیرے منہ سے کیوں بلند ہوتی ہے۔ اور تجھے اس پنجرے میں کس نے بند کیا ہے؟ حاتم کے اتنا پوچھنے پر اس بڈھے نے ایک آہ سرد کھینچی اور کہا۔ اے نوجوان! میری داستان سن کر کیا کرے گا۔ لیکن پوچھتا ہے تو لے سن اور عبرت حاصل کر۔ یہ کہہ کر پیر مرد نے اپنی داستان یوں سنانی شروع کی۔

"اے نوجوان! میرا نام احمر سوداگر ہے۔ میری پیدائش کے وقت میرے باپ نے یہ شہر میرے نام پر بسایا۔ تھوڑے دن بعد اس کا انتقال ہو گیا اس نے بے شمار دولت میرے لئے چھوڑی لیکن میں نے وہ سب کی سب جلد ہی فضول خرچی سے اڑا دی مفلسی کی حالت میں زندگی کے دن کاٹ رہا تھا کہ ایک دن میری ملاقات بازار میں ایک نوجوان سے ہوئی۔ وہ کہتا تھا کہ جس کے گھر میں کوئی مال و متاع گڑا ہو میں اپنے علم سے اس کا پتا لگاتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ مال نکلنے پر چوتھائی میرا ہو گا۔ میں نے سوچا کہ شاید میرے باپ نے کوئی دفینہ چھوڑا ہو۔ اس نوجوان کو اپنے گھر لے گیا۔ اس نے گھر کے کونے کونے کی مٹی سونگھی آخر کار ایک جگہ بیٹھ کر کہنے لگا۔ یہاں بے شمار دولت دفن ہے زمین کھودی گئی تو سچ مچ بے اندازہ زر و جواہر اور روپے اشرفیاں وہاں سے نکلیں۔ میں خوشی سے دیوانہ ہو گیا لیکن ساتھ ہی میری نیت بھی خراب ہو گئی۔ اور اس نوجوان کو تھوڑے سے روپے دے کر رخصت کرنے لگا اس نے نہ لئے اور روتا ہوا میرے گھر سے نکل گیا اور میں مزے سے روپے پیسے خرچ کرنے لگا۔

اس بات کو بہت دن گذر گئے آخر وہی جوان ایک دن بھیس بدل کر میرے پاس آیا اور کہنے لگا مجھے ایک ایسا علم آتا ہے کہ اس کی مدد سے زمین کے اندر گڑے ہوئے خزانے نظر آنے لگتے ہیں۔ میں نے کہا۔ مجھے بھی سکھا دو۔ بولا کہ میرے ساتھ جنگل میں چلو۔ وہاں ایک سرمہ تمہاری آنکھوں میں لگاؤں گا۔ تو تمہیں دفینے نظر آنے لگیں گے۔ میں خوشی خوشی اس کے ساتھ ہو لیا۔ اس نے جنگل میں پہنچ کر ایک سرمہ میری آنکھوں میں لگایا اس کے لگتے ہی میری آنکھیں پھوٹ گئیں۔ اس نوجوان نے مجھے پنجرے میں بند کر کے اس درخت پر لٹکا دیا۔ اور بولا کہ جھوٹوں کی سزا یہی ہے۔ اب اگر تو آنکھوں کی روشنی چاہتا ہے تو ہر وقت یہ بات دہرا کہ کسی سے بدی نہ کر۔ اگر کرے گا تو وہی پائے گا۔ میں نے پوچھا کہ میری آنکھوں کا کیا علاج ہے؟ کہنے لگا مدت کے بعد حاتم نام کا ایک جوان حق پرست یہاں آئے گا وہ کہیں سے نوریز گھاس لاکر اس کا عرق تیری آنکھوں میں ٹپکائے گا تو تیری آنکھیں اچھی ہو جائیں گی بس اے عزیز! میں پورے تیس برس سے اس جوانِ حق پرست کا منتظر ہوں کہ وہ آئے اور میری مشکل آسان ہو۔

حاتم نے یہ دکھ بھری کہانی سنی تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پیر مرد سے بولا۔ اے بزرگ! حاتم میرا ہی نام ہے۔ تو خاطر جمع رکھ۔ میں ابھی جاتا ہوں اور جس طرح بن پڑتا ہے اس گھاس کا عرق لے کر آتا ہوں۔ حاتم اسے خدا حافظ کہہ کر جنگل کو چلا جہاں اس کے خیال میں نوریز گھاس ہو سکتی تھی۔ وہ سات دن بعد اس جنگل میں پہنچا تو دیکھا کہ یہاں جہاں پھول کھلے ہوئے ہیں جنگل میں چراغ سے جل رہے ہیں۔ اور ہر طرف ایک بھینی بھینی خوشبو پھیلی ہوئی ہے۔ حاتم سمجھ گیا کہ نوریز گھاس یہی ہے۔ اپنے منہ میں مہرہ رکھا عصا ہاتھ میں لیکر تھوڑے سے پھول اور تھوڑی سی گھاس توڑ لی۔ کسی نے کچھ پوچھ گچھ نہ کی حاتم خوشی خوشی وہ پھول اور گھاس لیکر اس پنجرے والے بزرگ کے پاس آیا۔ گھاس کا عرق نکال کر چند قطرے اس کی آنکھوں میں ٹپکائے آنکھیں کٹورا سی ہو گئیں۔ بڈھا حاتم کے پیروں پر گر پڑا۔ حاتم نے اسے اٹھا کر گلے سے لگا لیا۔ اور کہا۔

"اے بزرگ یہ کیا کرتا ہے۔ میں نے تو خدا کی راہ میں کمر باندھی ہے۔ جو کام میرے ہاتھ سے ہو جاتا ہے اسے اپنے لئے سعادت سمجھتا ہوں۔ اور اس کو اپنے اوپر خدا کا احسان جانتا ہوں۔"

پیر مرد نے کہا۔

"میرے گھر بے شمار زر و جواہر ہیں میری خوشی ہے کہ اس میں سے کچھ لے۔"

حاتم بولا۔

"خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے سب کچھ دیا ہے تم اپنی دولت اپنے پاس رکھو اور اس میں سے کچھ اللہ کے نام پر خرچ کرو۔ اور اب مجھے اجازت دو۔ کہ اور بھی کام مجھے کرنے ہیں۔"

پیر مرد نے رو رو کر حاتم کو رخصت کیا اور وہ چند دن میں شاہ آباد جا پہنچا پہلے سرائے میں گیا اور وہاں سے منیر شامی کو لیکر حسن بانو کے پاس آیا۔ اسے سفر کا حال سنایا رات بھر وہیں قیام کیا۔ اور صبح کو حسن بانو سے پوچھا۔ اب بتاؤ تمہارا چوتھا سوال کیا ہے؟ حسن بانو

بولی۔

"اے حاتم! شہر خوارزم میں کوئی شخص ہے جو برابر کہتا رہتا ہے کہ سچ کو ہمیشہ راحت ہے میرا سوال یہ ہے کہ اس نے کیا سچ بولا ہے اور کیا راحت پائی ہے"؟۔

حاتم نے کہا خدا نے جس طرح تمہیں مشکلیں آسان کی ہیں اسی طرح سے وہ اس مشکل کو بھی آسان کرے گا۔ اور یوں وہ چوتھے سوال کے جواب کی تلاش میں گھر سے نکل پڑا۔

حاتم کا چوتھے سوال کی تلاش میں نکلنا

حاتم شاہ آباد سے نکل کر شہر در شہر ہوتا ہوا ایک پہاڑ کے دامن میں پہنچا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک دریا بڑے زور شور سے بہہ رہا ہے اس کے پانی کا رنگ خون کی طرح سُرخ ہے۔ حاتم کو حیرت ہوئی اور سوچا کہ آگے چل کر اس کا بھید پتا چلانا چاہیئے آگے بڑھا تو دریا کے کنارے ایک بہت بڑا درخت نظر آیا۔ اس درخت کی شاخوں میں بہت سے سر دھڑوں سے الگ لٹک رہے تھے اور ان میں سے خون کے قطرے ٹپک کر پانی میں گر رہے تھے اسی سے دریا کا پانی سُرخ ہو گیا تھا۔ حاتم نے غور سے سروں کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ سر پریوں کے ہیں۔ ایک سے ایک خوبصورت، لیکن ایک سر جو سب سے اونچی شاخ پر لٹکا ہوا تھا سب سے خوب صورت تھا حاتم ان سروں کو غور سے دیکھنے لگا تو سب کے سب ہنس دیئے۔ حاتم یہ باتیں دیکھ کر سمجھ گیا کہ یہ سارا کارخانہ سحر کا ہے۔ یہ سوچ کر وہیں بیٹھا رہا کہ جب تک اس کے بھید سے واقف نہ ہوگا آگے قدم نہیں بڑھائے گا۔ سارا دن دریا کے کنارے بیٹھ کر کاٹا شام ہوئی تو سر ایک ایک کر کے دریا میں گر پڑے اور دیکھتے دیکھتے اپنے اپنے دھڑوں میں جڑ کر زندہ ہو گئے تھوڑی دیر میں دریا کی سطح پہ ایک محفل آراستہ ہو گئی اور ناچ رنگ شروع ہو گیا۔ کچھ دیر یہ محفل گرم رہی اس کے بعد دستر خوان بچھا اور انواع و اقسام کے کھانے چُن دیے گئے ایک پری حاتم کے بھی کھانے کا خوان سجا کر لائی اور کہا ہمارے سردار نے تمہارے لیے بھیجا ہے۔ حاتم نے کہا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو۔ اور یہ طلسم سارا کیا ہے؟ اس کے بعد کھاؤں گا وہ پری چلی گئی۔ اور تھوڑی دیر بعد جواب لائی۔ کہ کھانا کھا لو۔ ہمارا سردار کل تمہیں ساری بات بتائے گا۔ حاتم نے کھانا کھا لیا۔ دستر خوان بڑھ گیا تو پھر ناچ رنگ کی محفل جم گئی۔ صبح ہوتے ہی یہ محفل درہم برہم ہو گئی۔ اور سب کے سر پہلے کی طرح اپنے جسموں سے علیحدہ ہو کر درخت کی شاخوں میں لٹک گئے۔ حاتم نے جُوں توں کر کے دن کاٹا۔ شام ہوئی تو پھر وہی کل کا سماں پیش آیا۔ آج بھی اس کے لئے کھانے کا خوان سج کر آیا۔ اور جب اس نے کھانے سے انکار کیا تو پری نے کہا پہلے کھانا کھا لو پھر ہماری ملکہ کے پاس چلنا۔ حاتم نے کھانا کھا لیا۔ اور اس پری کے ساتھ محفل میں پہنچا قریب جا کر دیکھا کہ اسی سر والی عورت جس کا سر سب سے اونچی شاخ پر لٹکا ہوا تھا۔ مسند پر بیٹھی ہے۔ حاتم نے دریا کی سطح پر پاؤں رکھا تو اس کا جسم پانی میں داخل ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں زمین پر پیر ٹکے تو دیکھا۔ نہ وہ دریا ہے۔ نہ وہ درخت۔ اور نہ وہ محفل۔ بس ایک لق و دق صحرا ہے۔

(جاری ہے)

روشن کتابیں
سب کے لیے

۱۔ بانگ درا	۳/-
۲۔ چاند جنگل اور لڑکی	۲/-
۳۔ انقلاباتِ عالم	۴/-
۴۔ پطرس کے مضامین	۲/-
۵۔ بالِ جبریل	۲/۵۰
۶۔ دوست بنو، دوست بناؤ	۲/۵۰
۷۔ رابنسن کروسو	۲/-
۸۔ صندل کی آگ	۳/-
۹۔ ابنِ بطوطہ کے تعاقب میں	۴/-
۱۰۔ ضربِ کلیم (مکمل) ارمغانِ حجاز (اُردو نظمیں)	۳/۵۰
۱۱۔ لیلیٰ کے خطوط	۲/۵۰
۱۲۔ کمال اتاترک	۳/۵۰
۱۳۔ آدھی بیوی	۲/-
۱۴۔ دُنیا گول ہے	۴/-
۱۵۔ قائدِ اعظمؒ پر قاتلانہ حملہ	۳/-
۱۶۔ آفتابِ تہران	۳/-

۱۷۔ گولڈ فنگر	۳/-
۱۸۔ محمد علی — ایک عظیم باکسر	۳/۵۰
۱۹۔ زندگی سے فائدہ اُٹھائیے	۲/۵۰
۲۰۔ ڈھاکہ سے فرار	۲/۵۰
۲۱۔ امامِ تصوف	۲/-
۲۲۔ قائدِ اعظمؒ کے دستِ راست	۳/-
۲۳۔ موت کا منظر	۴/-
۲۴۔ محبوبِ خُدا کی دُعائیں	۲/-
۲۵۔ جنت کا منظر (حصہ اول)	۴/-
۲۶۔ جنت کا منظر (حصہ دوم)	۳/۵۰

ہر ماہ کی
یکم^{۱}، دس^{۱۰} اور بیس^{۲۰}
تاریخ کو
تین روشن کتابوں کے ساتھ
شائع ہونے والے قسط وار
اَدبی و تاریخی سلسلے
اُردو نثر کی داستان (۱ تا ۴)
مُسلم شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا (۱ تا ۴)
اُردو شعر کی داستان (۱ تا ۳)

یہ روشن کتابیں چھپ چکی ہیں۔ آج ہی اپنے قریبی بکسٹال/ہاکر سے طلب فرمائیں ——!

مطبوعات شیخ غلام علی
ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

روشن کتابیں